باب سوم

معارف کے نگارشات

① معارف کی علمی نگارشات

۱۔ مذہبیات معارف نے مذہب اسلام اور دیگر مذاہب سے متعلق نگارشات کا بے مثال COLLECTION پیش کیا ہے جو حد درجہ قابل قدر ہے اور علوم اسلامیہ کے متلاشیوں کے مطالعہ و معلومات کے لئے خصوصی اہمیت کا حامل ہے ۔ دیگر مذاہب کے تئیں حصول معلومات کے لئے اور ان کے ساتھ اسلام کے موازنے اور تقابلی جائزے کے لئے بھی یہ نہایت ہی موزوں و مناسب اور قابل قدر ہے ۔

دراصل مذہب ہر دور میں CONTROVERSY بنا رہا ۔ ہر فرقہ اور جماعت نے اپنے پیشواؤں کی تعلیمات اور طور طریقوں کے مطابق سوچا سمجھا اور عمل کی راہیں متعین کیں ۔ ساتھ ہی ساتھ اکثر و بیشتر حالات میں زور و قوت اور غلبہ و اقتدار کی حالت میں اپنے تفوق کو منوانے اور دوسروں کو اپنے دائرۂ اثر میں لانے کی جائز و ناجائز کوششیں کیں اور ظالمانہ ہتھکنڈوں کو بھی استعمال کیا زمانہ دراز سے یہ سلسلہ قائم ہے اور اس ضمن میں خوشگوار تبدیلی کے امکانات مسدود نظر آتے ہیں ، گو اہل حق ہر زمانہ میں اپنی بساط بھر کوشش میں لگے رہے اور کوشش میں لگے ہوئے ہیں ۔

معارف نے ایک ایسے دور میں آنکھیں کھولیں جب برصغیر میں طبقاتی کشمکش اور مذہبی منافرت اپنے نقطۂ عروج پر تھی ۔ ہندؤں کے بعض سرگرم فرقوں مثلاً آریہ سماج ، عیسائی مشنریز کے مبلغوں اور خود مسلمانوں کے باطل فرقوں مثلاً قادیانیوں اور بہائیوں وغیرہ کی کھلی عام سرگرمیوں کے رد اور ابطال کے لئے مثبت اور مدلل لٹریچر کی ضرورت تھی جو وقت کے چیلنج کا مقابلہ کر سکتی اور مستند حقائق کو منظر عام پر لانے کی قدرت حاصل کر سکتی ۔ ان دنوں ایسے جلسوں اور مناظروں کا زور تھا جس میں ہر فریق اپنے موقف کو حق بجانب ثابت کرنے اور دوسرے کو شکست دینے کے لئے ایڑی سے چوٹی تک زور لگاتا تھا ۔ الحمدللہ مسلمانوں میں ایسے ذہین اور طباع لوگ ابھر کر سامنے آئے جنھوں نے تحریر و تقریر کے فن میں نہ صرف یہ کہ ملکہ حاصل کیا بلکہ ہر سطح اور ہر پہلو سے مخالفین کا کاٹ کر اور توڑ کرنے کی بے مثال فنی مہارت کو پیش کیا ، ان کی ناپاک سازشوں کو طشت ازبام کیا اور ان کے من مانے رجحان کی حوصلہ شکنی کی ۔ اس ضمن میں یہ ضروری تھا کہ مذاہب کے تقابلی جائزوں پر عبور حاصل ہو ، ساتھ ہی ساتھ مذہب حقیقی یعنی مذہب اسلام کا عمیق مطالعہ حاصل ہو ۔ اس سلسلہ میں PRESS کی سطح پر جن صحافتی اداروں نے قابل قدر خدمات کو انجام دیا ان میں معارف کو

نمایاں حیثیت حاصل ہے ۔[1] آج وہ حالات نہیں رہے مگر بدلے ہوئے حالات میں بھی وہی زہر ہلاہل اور وہی آلودگیاں ہیں جو عہد رفتہ میں بھری ہوئی تھیں ۔ فرق صرف یہ ہے کہ نوعیت اور حیثیت بدل گئی ہے اس لئے ان سے نپٹنے کے لئے اور ان کی سمّیت کو ختم کرنے کے لئے معارف جیسے زودۂ خدام کی خدمت اور اہمیت آج بھی برقرار ہے ۔

آج کے دور میں ذرائع ابلاغ (MEDIA) پر اغیار کا فکری و نظریاتی اور معاشی و سیاسی قبضہ ہے ۔ ہر طرف سے اسلام اور داعی اسلام پر ایسے شدید حملے ہو رہے ہیں جن کی شدت عہد ماضی سے کئی گنا زیادہ ہے ۔ مثال کے طور پر INTERNET پر اسلام کے خلاف زبردست پروپیگنڈا مہم چلائی جاری ہے اور اسلامی تعلیمات و تاریخ کو کمال ہنرمندی کے ساتھ توڑ موڑ کر غلط رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے ۔ ابھی حال میں قرآن حکیم کے نام پر دو فرضی سورتوں کو فرضی حروف مقطعات کے ساتھ عیسائی عقائد کی توثیق کے طور پر بڑی فصاحت و بلاغت اور ذہانت و فطانت کے ساتھ پیش کیا گیا ۔ قوم کی بے توجہی و لاعلمی اور بے حسی و بے شعوری کا یہ عالم ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ایجنٹ کھلے عام بکواس کرتے ہیں اور مذاکرات کے دوران اس طرح تعلیم یافتہ لوگوں کا بالخصوص مسلم نوجوانوں کا ذہن خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے مضر اثرات کو بیان نہیں کیا جا سکتا ۔ ان حالات اور واقعات کے پس منظر میں کسی اسلامی ادارے یا علمی و مذہبی شخصیت کی طرف سے ملک یا HIGH LIGHT نہیں مل پاتی جبکہ اس کے برعکس جب یہودیت یا عیسائیت پر اعتراض ہوتا ہے تو ان کے مذہبی رہنما ربّی یا اسقف بلکہ POPE تک SCREEN پر حاضر خدمت ہو جاتے ہیں اور مستند و مدلل جواب دیکر اپنے فریق کے موقف کو سنبھال دیتے ہیں ۔ یہی حال ریڈیو ، ٹی وی اور اخبارات و رسائل کا ہے ۔ معیاری سطح پر مسلمان اس صورت حال کی مدافعت کے معاملے میں قطعاً بے بس نظر آتے ہیں ۔ دولت رہنے کے باوجود ان کے پاس علمی فنی اور اجتماعی استعداد و شعور کا فقدان ہے ۔[2]

---

[1] دار المصنفین کی علمی خدمات — ڈاکٹر عبداللہ ص 15

[2] رسالہ اردو کراچی مئی ۱۹۹۸ ص ۳۵

یہ تو خارجی محاذ کی بات ہے ۔ اب آیئے داخلی صورت حال کا جائزہ لیں ۔ داخلی محاذ پر بھی ہم بری طرح ٹوٹ رہے ہیں ۔ اس دور کا ایک بہت بڑا فتنہ مسلک کی لڑائی ہے ۔ علماء و فضلاء کی نہ معلوم کن غلطیوں کی پاداش میں دیوبندی بریلوی فتنہ اس طرح ابھر کر آ گیا ہے کہ ایک فریق نہ دوسرے کی صورت دیکھنے کا روادار ہے اور نہ دوسرے کی بات سننے کا۔ گھر گھر بٹ گئے ہیں ۔ بھائی بھائی سے جدا، باپ بیٹے میں اختلاف اور میاں بیوی میں ٹکراؤ نظر آتا ہے ۔ آخر عالم اسلام کے مذہبی امور کے ماہرین اور دانشوران قوم کس دن ان مسائل کا حل نکالیں گے اور قوم کو گھٹن زدہ ماحول سے نجات بخشیں گے ۔

ظاہر ہے ہر فنکار اپنے فن کی حدود میں ہی ٹھوکر کھاتا ہے اور کسی بھی فنکار کو جو بھی گزند پہونچتی ہے وہ اپنے ہی آلات اور اوزار سے ۔ اور پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ جو جتنا سبک رفتار ہوتا ہے اتنی ہی تیز اور خطرناک ٹھوکر کھانے کا احتمال بھی اسے ہوتا ہے ۔ ہمارے علماء اور فضلاء بھی تو بہرحال انسان ہیں اور تقاضائے بشری کے حامل ہیں ۔ کیا ان سے غلطیوں کا صدور نہیں ہوسکتا ۔ کیا یہ بات محقق نہیں ہے کہ علماء سے اجتہادات میں اور صوفیاء سے مکاشفات میں غلطیوں کا صدور ہوا ہے ۔ کیا یہ بھی ایک تلخ حقیقت نہیں ہے کہ بعض بڑے علماء نے اپنی زندگی کے آخری دور میں اپنے موقف اور نقطۂ نظر کو بعض مسائل کے ضمن میں بدلا اور اپنی سابقہ رائے اور سابقہ اجتہادی نقطۂ نظر سے رجوع کیا بلکہ ان رجوعات کے ضمن میں تحریریں اور کتابیں بھی لکھ دیں تاکہ سند رہے ۔ لیکن بعد کے آنے والوں نے پہلی تحریروں کو جوں کا توں رہنے دیا اور ان رجوعات و اصلاحات کے سلسلوں کو منظر عام پر لانے سے گریز کیا جس کے وجہ سے پیچیدگیوں کا سلسلہ بڑھتا گیا اور بڑھتا جارہا ہے ۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیا جاتا کہ فلاں عالم دین خواہ کتنی ہی بڑی علمی حیثیت کا مالک کیوں نہ ہو اس نے فلاں موقع اور مرحلے پر اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا جس کا ثبوت خود ان کی فلاں تحریر یا کتاب ہے ۔ صوفیاء کے یہاں تو یہ بات واضح طور پر ملتی ہے کہ انھوں نے اپنے پیش روؤں یا متبعین کے مکاشفات، نظریات اور طریقہ کار پر نہ صرف یہ کہ نکتہ چینی کی بلکہ اس ضمن میں ضروری اصلاحات اور اجتہادات کو بروئے کار لائے مثلاً وحدت الوجود کی جگہ وحدت الشہود کا مسئلہ سامنے آیا یا معاشرہ میں ابھرنے والے بہت سے مروجہ مذہبی و روحانی اختلافات کا نہ صرف یہ کہ اعتراف کیا بلکہ ان کے حق میں موثر اصلاحی اقدامات بھی کئے ۔

۔یہاں پر اعتراف حق اور اصلاح معاشرہ کے مقابلے میں گروہ صوفیاء سے وابستگی رکھنے والے بلند علماء و فضلاء کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن کا شمار یا تو بذات خود مشائخ طریقت میں ہوتا ہے یا اس گروہ کے متوسلین اور منتسبین میں ۔ صوفیاء کے گروہ میں ایک ممتاز شخصیت حاجی امداداللہ فاروقی مہاجر مکی رح المتوفی ۱۹ اکتوبر 1899 کی ہے جن کے شاگردوں اور مریدوں سے آگے چلکر دیوبندی اور بریلوی مکاتیب فکر کے حاملین شخصیات کی تشکیل ہوئی ۔ ایک طرف ان کے ارادت مندوں میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا عبدالرشید گنگوہی جیسے اکابر کا نام ملتا ہے تو دوسری طرف مولانا محمد حسین الہ آبادی جیسے صاحب حال بزرگوں کا جن کا وصال سماع کی محفل میں ہوا تھا ۔ حاجی صاحب اپنے زمانہ میں آیت من آیات اللہ تھے ۔ آج ہر طرف انھیں کا روحانی فیضان ہے جس نے دین و دانش کی شمعوں کو روشن رکھا ہے ۔ دارالعلوم دیوبند ہو یا مظاہر العلوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنو یا مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ، جامعہ نظامیہ حیدرآباد ہو یا جامعہ اشرفیہ لاہور سب کی نسبت ان سے ہی جڑی ہوئی ہے ۔ سر سید احمد خان پر بھی ان کی چشم عنایت تھی اور انھوں نے فرمائش کرکے سر سید سے ایک رسالہ بھی ترجمہ کرایا تھا ۔ پچھلی صدی میں کوئی ممتاز عالم دین، کوئی درویش، کوئی خانقاہ ایسی نہیں ہے جس تک بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت حاجی صاحب کا فیضان عمیم نہ پہونچا ہو ۔ موصوف نے اپنی زندگی میں ایک کتاب "ہفت مسئلہ" کے نام سے لکھی تھی جس میں دونوں فریق کے سات اختلافی مسائل پر قرآن و حدیث اور سنت رسول کریم ص کی روشنی میں مدلل اور مناسب حل پیش کیا تھا جس کو قبول کرنے سے کسی سمجھدار مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا اور تنازعہ کے جملہ اسباب و محرکات پر بھی اوس پڑ جاتی ہے لیکن سخت تعجب کی بات ہے کہ موجودہ دور کے علمی ادارے اس طرح کی مثبت اور بامعنی تحریروں کو نہ صرف یہ کہ سامنے لانے سے ہچکچاتے ہیں بلکہ اپنے کتب خانوں کے سرد خانوں میں اس طرح دبا کر رکھتے ہیں کہ اگر پورے شہر کے مختلف النوع اداروں میں اس کو تلاش کیا جائے تو ایک جلد بھی دستیاب نہ ہو سکے گی، کجا کہ نقد و جرح کا معاملہ، تو اس کی فرصت تو شاید ہی کسی ناقد اور مبصر کو نصیب ہوگی ۔ سے[3]

۲ ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح نے اپنی زندگی کے آخری دور میں کچھ مسائل کے ضمن میں اپنی سابقہ رائے سے رجوع کرنے کے بعد ایک کتاب "راجح المراجح" کے نام سے تحریر فرمائی ہے جس میں ان تمام مسائل اور موقف کا مفصل اور مدلل اظہار ہے جن سے مولانا موصوف نے رجوع کر لیا تھا ۔ اہل علم حضرات کے حلقوں میں اس کتاب کا ذکر بھی کم ہی آتا ہے[4]

سے[3] حاجی امداداللہ فاروقی ایک تاریخ ساز شخصیت ــــ ناظر کاظمی ص 115

سے[4] حکیم الامت کے بصیرت افروز کارنامے ــــ ڈاکٹر حامد علی ص ۵۵۵

۳ ۔ ۱۹۴۵ میں سید سلیمان ندوی نے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی سے حصول شرف بیعت کے بعد جو عظیم روحانی انقلاب ان کی زندگی میں پیش آیا اس کے نتیجے میں سید صاحب نے اپنی تمام پرانی تحریروں پر نظر ثانی کی اور جس میں ذرہ بھی جمہور امت سے اختلاف کا شائبہ یا خلاف احتیاط کوئی بات نظر آئی اس سے رجوع کر لیا ۔ چنانچہ جنوری 1943 کے معارف میں "رجوع واعتراف" کے عنوان سے ایک مضمون شائع کیا اور معراج جسمانی ، فنائے نار ، تصویر کشی اور زکوٰۃ حلی (زیوروں کی زکوٰۃ) کے بارے میں اپنی سابقہ تحقیقات سے رجوع کر لیا ۔ [۵]

یہ ہمارے علمائے کرام کی بے نفسی اور رجوع الی الحق کی بہترین مثالیں ہیں جن سے موجودہ دور کے علماء و فضلاء اور مشائخ کو سبق حاصل کرنا چاہئے اور مذکورہ تحریروں میں مندرج حقائق کو منظر عام پر لانے کے معاملے میں پہل کرنی چاہئے ۔ ضرورت ہے کہ معارف کے ذمہ دار حضرات جو تحقیقی کاموں میں لگے ہوئے ہیں ان مسائل کی طرف توجہ فرمائیں اور ان پیچیدہ مذہبی مسائل کو حل کرنے کے لئے کوئی لائحہ عمل اختیار کریں جن سے بھولے بھالے عوام کو ناواقفیت کی بنا پر گمراہ کیا جاتا رہا ہے ۔ اگر صاحبان معارف اپنی علمی استعداد سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا کر اپنی قوم کو مستفیض کرنے کے لئے کچھ وقت نکالتے ہیں اور بے نفسی و جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو قومی سطح پر ایک بڑا بحران دھیرے دھیرے ختم ہو سکتا ہے ۔ ہم قومی سطح پر فراخ دلی اور وسیع القلبی کے ثبوت فراہم کر سکتے ہیں ، ہم مستشرقین اور دانش وران فرنگ کے ساتھ مطابقت اور ہم آہنگی کی فضا ہموار کر سکتے ہیں ، ہم مذہبی دوائر میں اندرون ملک اور بیرون ملک مذہبی خدمات انجام دے سکتے ہیں ، جب ہم نے اپنی پوری زندگی ہی کو علمی تلاش و تحقیق کے لئے وقف کر دیا ہے اور تصنیف و تالیف کے کام ہی کو بنیادی طور پر اولین اہمیت کا حامل سمجھ لیا ہے تو پھر اپنے قلم سے اس جہت میں کیوں نہیں پیش رفت کر سکتے ؟

سید صباح الدین عبدالرحمٰن نے اپنی تحریروں میں خود کو شبلی کے قبر کے مجاور سے تشبیہ دی ہے ۔ [۶] یہ حقیقت ہے کہ صاحبان معارف اپنی پوری زندگی اس علمی و ادبی دفینے کی حفاظت میں گزار دیتے ہیں جو دار المصنفین کے احاطے میں مدفون ہیں اور جن میں کیسے کیسے لعل و گہر پوشیدہ ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دار المصنفین کے احاطے میں ایک قبرستان ہے اور یہ احاطہ اور قبرستان بھی شہر کے ایک ایسے دور دراز علاقے

---

۵ حیات سلیمان ــــ شاہ معین الدین ندوی ص ۶۷۷ تا ۶۸۱

۶ ہم نفس رفتہ ــــ ڈاکٹر سالم قدوائی ص ۴۳

میں واقع ہے جہاں عالمِ خیال میں قصۂ چہار درویش کے پس منظر کی طرح رات کے سناٹے میں مجلہ معارف کے چار بقیدِ حیات مدیران چہار درویشوں کا سوانگ بھر کر شب گزاری کے لئے جمع ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے حال احوال سے کچھ سیکھنے سکھانے اور درسِ عبرت و موعظت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر اپنی اپنی سرگذشت سنانے کے خواستگار ہوتے ہیں۔ پس منظر میں بادشاہ آزاد بخت جیسی کوئی اہم شخصیت ان کی روداد سننے میں دلچسپی لے رہی ہے۔ شاید یہ رول تو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ہی زیب دیتا ہے۔ پہلا درویش اپنے چلم کو درست کرتے ہوئے یا نئے دور کی ضرورت کی ترجمانی کے طور پر اپنے طلائی سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے اور اپنے نقرئی پن ڈبے سے ایک تر و تازہ مگہی پان کا بیڑا چباتے ہوئے یوں گویا ہو "ہاں تو صاحبو! اس فقیرِ بے نوا بلکہ فقرائے بے نوا اور علمائے باوفا سے شرفِ تلمذ رکھنے والے کا نام سید سلیمان ندوی ہے، ملک ہندوستان جنت نشان کے اقطاع بہار شریف بہار کے دسنوی سادات کے ایک معزز و مفتخر خانوادے کا چشم و چراغ ہے .... اس طرح دوسرے اور تیسرے درویش (شاہ معین الدین احمد ندوی اور سید صباح الدین عبدالرحمن) نے علی الترتیب اپنی روداد زندگی پر روشنی ڈالی اور سیرِ عالم سے متعلق احوال و کوائف اور تجربات بیان کئے۔ یہاں تک کہ صبح کے آثار نمودار ہوئے اور پھر اور پھر .... چوتھے درویش (ضیاء الدین اصلاحی) کی کہانی بادشاہ آزاد بخت کی نیابت میں مجلس ادارت معارف کے اراکینِ اعلیٰ نے دارالمصنفین کے کشادہ ڈرائنگ روم کے آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر سنی اور خود اپنی آپ بیتی بھی سنائی۔ یہاں تک کہ سبھوں کے حق میں اپنے گوہرِ مقصود تک رسائی کی راہیں استوار ہو گئیں ——————

ضرورت ہے کہ معارف کے شماروں میں ایک ایسی تمثیلی روداد پیش کی جائے جو گذشتہ 83 برس کے احوال و کوائف اور معاملات و مسائل کا بھرپور احاطہ کرتی ہو اور جس میں رطب و یابس کوٹ کوٹ کر بھرے ہوں۔ مذہبی مسائل کا بھی نہایت عمدگی کے ساتھ حل پیش کیا گیا ہو اور حسن و قبح کو تمثیل سے سمجھایا گیا ہو اور جو ایک علمی و ادبی شاہکار بن کر ابھرے۔ آج کے مذہبی افکار و خیالات کے اختلافات کے تناظر میں اس طرح کی تمثیلوں میں واقعات اور مسائل کو پیش کرنے اور انھیں سلجھانے کی ضرورت ہے۔

معارف کے موضوعات پر اگر گہری نظر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس دائرۂ مضامین میں علوم اسلامیہ کے کم و بیش تمام موضوعات شامل ہیں۔ جناب ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے معارف کا اشاریہ تیار کیا تو اس میں اپنے انداز پر موضوعات شمار کئے۔ ہمارے اس باب کی فہرست سے بھی اس کی عمومیت، جامعیت اور کاملیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے — ہم نے کوشش کی ہے کہ ہر موضوع کے تحت ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جائے

سب سے پہلے ہم نے "مذہبیات" کے عنوان کے تحت معارف کے بعض بیش قیمت مضامین کا ذکر کیا ہے جن میں یہودیت، نصرانیت، ہندوئیت، بدھ مت، مجوسیت، صابیت وغیرہ مشہور مذاہب عالم پر قدر درجہ عالمانہ مواد و تحریریں موجود ہیں۔ ذیل میں اس قسم کے چند مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ نظر رہے کہ ان مضامین کی نوعیت اور ان کے تعارف سے دانستہ گریز کیا گیا کہ تقریباً ایک صدی پر محیط ان صفحات کا احاطہ خود ایک ضخیم جلد کا متقاضی ہے۔ ہم نے صرف یہاں ان مضامین کی خصوصیت اور نوعیت کو اختصار سے بیان کر دیا ہے۔

۱۔ مختلف اقوام و ملل اور مذہبی فرقوں و تنظیموں سے متعلق مندرجہ ذیل موضوعات کے ضمن میں تعارفی اور معلوماتی مضامین ملتے ہیں:

۱۔ عقائد — مثلاً ہندو مذہب میں بت پرستی کا معاملہ

۲۔ معابد — مثلاً قدیم امریکہ کے معابد

۳۔ من گھڑت کہانیاں — مثلاً رومن کیتھولک تاریخ کی چند من گھڑت کہانیاں

۴۔ انکشافات — مثلاً مے نوشی + طلاق

۵۔ مذہبی کتابیں — راماین، مہابھارت اور ان کی تفسیریں مثلاً اپنشد + تناول + پند نامہ زرتشت

۶۔ شخصیتیں — مثلاً شری رام، شری کرشن، زرتشت وغیرہ

۷۔ مختلف عالمی مذاہب اور اہم فرقوں و تنظیموں کے جائزے مثلاً بواہیر + فرقہ اسمعیلیہ وغیرہ

۸۔ مذہبی اصطلاحوں کی تشریح مثلاً لفظ مجوس کی تشریح

۲۔ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت تقابلی جائزے ملتے ہیں:

۱۔ عہد عتیق کے مختلف مذہبی اقوام و ملل یا مذاہب یا مذہبی کتب کا موازنہ قدیم تاریخ الکتابوں میں مذکور اہم تاریخی فرقوں یا تنظیموں سے مثلاً توراۃ اور شرائع حمورابی

۲۔ اسلام کا موازنہ دیگر مذاہب سے مثلاً اسلام اور عیسائیت کے طرز اشاعت کا موازنہ + اسلام اور ہندو مذہب کی بعض مشترکہ تعلیمات کا موازنہ وغیرہ

۳۔ قرآن کریم میں مذکور مختلف اقوام و ملل کا موازنہ مختلف مذہبی گروہوں سے امکانی مماثلت کے وجہ سے مثلاً قرآن کے صابئین کیا بدھ مذہب کے ماننے والے تھے؟

۴۔ صرف قرآن کریم کی روشنی میں یا قرآن و حدیث دونوں کی روشنی میں دیگر مذاہب یا مذہبی کتب

کے تقابلی جائزے اور تجزیے مثلاً بائبل قرآن اور حدیث کی روشنی میں ۔

۵ ۔ اسلام کا موازنہ دیگر اقوام کی ثقافت سے اور دیگر اقوام کا موازنہ عمومی ثقافت کے ساتھ
مثلاً اسلام اور موسیقی + یہود اور موسیقی

۳ مذہبی موضوعات اور عنوانات پر تحقیقی مقالات ملتے ہیں جن کا مختصر جائزہ حسب ذیل ہے :

۱ ۔ قرآن کریم میں مذکور بعض تحقیق طلب شخصیتوں سے متعلق جائزے ملتے ہیں
مثلاً حضرت لقمان، حضرت خضر وغیرہ سے متعلق

۲ ۔ مستشرقین کی تصنیفات کے تراجم اور ان پر تبصرے ملتے ہیں
مثلاً تھامس براؤن وغیرہ کی تصنیفات اور نگارشات پر

۳ ۔ قرآن کریم کی تحریفات کے سلسلے میں یہود و نصاریٰ کی مذموم کوششوں کا پول کھولنے اور مصروفہ حقائق تک رسائی کرانے اور واضح خدوخال کو ابھارنے میں اہم رول ادا کیا ۔

۴ ۔ دیگر مذاہب میں بگاڑ اور خرابیاں کن وجوہات سے پیدا ہوئیں ۔ ان محرکات اور عوامل کی نشاندہی اور وضاحت کی ۔

۵ ۔ ملک گیر اور عالم گیر پیمانے پر مذہبی تنظیموں کی طرف سے منعقدہ جلسوں، مذاکروں کانفرنسوں اور سیمیناروں کی کارروائیوں کی رپورٹ پیش کی
مثلاً عالمی لیگ آف ریلیجنز کی رپورٹنگ وغیرہ ۔

مثبت اور تحقیقی انداز فکر رکھنے والے غیر مسلموں کی نگارشات کو نہایت فراخدلی اور وسیع القلبی کے ساتھ اپنے موقر جریدے کے صفحات میں جگہ دی گئی ہے وقت مناسب گنجائش پیدا کی ۔ اگر کسی وقت ان کے نقطۂ نظر سے اختلاف یا پیچیدگیوں کا خطرہ محسوس کیا تو فوراً ہی اس کی وضاحت اور تبصرہ کی اشد ضرورت اور اس ضمن میں مثبت خیالات پیش کیں ۔

---

۵ مثلاً یہ کہ وہ نبی ہیں یا ولی، مادی اور ظاہری اشارے سے حیات اور ابدی رکھتے ہیں یا روحانی خدمت کا ...

۲- قرآنیات

قرآن حکیم نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی مقدس دینی کتاب ہے بلکہ ایک ایسی آفاقی کتاب ہے جو ہمہ گیر علوم و معارف کا حامل ہے اور کسی بھی علم وفن سے متعلق نکات اور اشارات اس میں دستیاب ہوجاتے ہیں ۔ اپنی جامعیت اور حقانیت کے اعتبار سے اور اسرار و رموز کے لحاظ سے ایک بے مثال کتاب ہے جو خالق کائنات کی طرف سے انسانیت کے حق میں آخری اور مکمل دستور العمل اور مشعل راہ ہے ۔ مسلمان اس کتاب کے ایک ایک حرف کو حق ماننے کے باوجود عمومی طور پر اس کتاب سے اس طرح استفادہ نہیں کرپاتے ہیں جو غیر مسلم حضرات بالخصوص محققین یورپ اور محققین یہود و نصاریٰ بظاہر اس کے برحق ہونے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے بھی اس سے محض اس لئے مستفیض ہورہے ہیں کہ انھوں نے اس کی علمی فضیلت اور علمی اہمیت کو سمجھا ۔ ان کی تجربہ گاہوں اور رصد گاہوں میں اس کتاب کو بھی اتنی ہی زیادہ اہمیت حاصل ہے جو ہئیت وفلکیات اور سائنس وٹیکنالوجی کی کسی مستند کتاب کو حاصل ہوتی ہے ۔ ان کا ایک علمی طبقہ نہایت خاموشی کے ساتھ اس کتاب کی خوشہ چینی میں لگا ہوا ہے ۔ اور طبی وسائنسی انکشافات اور مختلف علوم سے متعلق اشارات کو اخذ کرنے میں محنت صرف کرتا ہے بلکہ اپنے پُراز حکمت ودانائی کے طرز اسلوب کی بنا پر بقیہ کتابوں پر ترجیح دیتا ہے ۔ یہ کتنے حیرت کی بات ہے کہ اغیار تو اپنے فطری ذوق وشوق اور علمی رجحانات کی بنا پر ہمارے اس بحر ناپیدا کنار سے لعل وگہر نکال کرلے جائیں اور ہم اپنی جہالت اور کورباطنی کے نتیجے میں ہاتھ پر ہاتھ دھرکر بیٹھے رہیں ۔ وہ صاحب علم وفن ہوکر بھی اس کتاب مقدس سے رجوع کرنے میں ذرا بھی شرم اور ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور ہم علم سے بے بہرہ ہوکر بھی اس حقیقت کو فراموش کرجاتے ہیں کہ حصول علم کی اہمیت قرآن اور سنت کی روشنی میں کتنی زیادہ ہے اور وحی الٰہی کا پہلا لفظ ہی "اقراء" (پڑھ) سے شروع ہوتا ہے ۔ پھر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآن مخلوق نہیں بلکہ خالق کا کلام ہونے کے سبب خالق کی صفات سے متصف ہے یعنی غیر مخلوق ہے حضرت امام احمد ابن حنبل کے مشہور قول کی روشنی میں "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" ثابت ہے ۔[8]
اگر اس کائنات میں خاص طور پر صفحہ ہستی پر کوئی ایسی چیز پیش کی جاسکتی ہے جو خالق کی صفت سے متصف ہو اور غیر مخلوق ہو تو سوائے قرآن کریم کے اور کوئی چیز نہیں پیش کی جاسکتی جو ہر مسلمان کے گھر میں نہایت آسانی اور ارزانی سے دستیاب ہے اور جس کا دیکھنا ، سننا ، بوسہ لینا ، سر آنکھوں پر رکھنا ، محبت و عقیدت کا والہانہ اظہار جس کے ساتھ کرنا ثابت ہے ۔ جس کو بطور غذا ،

---

[8] تذکرہ ـــــ مولانا ابوالکلام آزاد

مشروب اور دوا کے استعمال کرنا اور امراض و بلیات کے دفعیہ کے لئے اس کو استعمال کرنا اور حرز جان بنانا ثابت
کتنے ہی غیر مسلم عامل قرآنی کلمات کو اپنے منفکرانہ جھاڑ پھونک اور عمل تسخیر کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس کے
اثرات کو محسوس کرتے ہیں اس لئے کہ انھیں اپنے صاحب اثر اور صاحب اجازت گروؤں سے اس عمل
کی اجازت حاصل ہے لیکن خود مسلمان اپنی عملی زندگی میں اس اثر کے استفادے سے محروم نظر آتے ہیں
آخر اس کی وجوہات پر ہم نے غور کیا ۔ اغیار نے اپنے ذوق و شوق اور خدمت کے ذریعے ہمارے اسلاف
سے اس علم کی کسی شق کو اخذ کرکے صاحب نعمت بن گئے اور ہم اپنے نفس کی اسیری اور مزاج کے بڑھے
پن کی وجہ سے صاحبان فن سے رجوع کرنے سے کترانے کے نتیجے میں محروم سعادت رہ گئے ۔ مسلمانوں نے
عمومی طور پر لب ناظرہ اور تلاوت تک ہی اس کو محدود کر دیا ہے اور وہ بھی مرنے جینے کی رسومات کے
موقع پر یا تقریبات اور جلسوں کے انعقاد کے مواقع پر جس کے دبنکر خاطر خواہ اثرات اور نتائج کے
حصول سے وہ محروم رہ جاتے ہیں ۔ ضرورت ہے کہ علم تحقیق اور علم صحیح کے اس بے مثال سرچشمہ سے
مسلمان عمومی طور پر مستفیض ہونے کی عادت ڈالیں اور اپنے طریقہ کار اور نقطۂ نظر میں تبدیلی لائیں
معارف کی قرآن حکیم سے وابستگی شروع سے ہی رہی ۔ قرآن حکیم کے نزول کے
مقدس مہینے سے اس کا اجراء ہوا[9] ۔ قرآن کی ترویج و اشاعت میں اس نے نمایاں رول ادا کیا ۔
معارف کے بے شمار صفحات اس کے شاہد ہیں ۔ معارف کا شاید ہی کوئی پرچہ ہو جو قرآنی مضامین
سے پُر نہ ہو بلکہ ہر پرچہ کا کم ازکم چوتھائی حصہ تو ضرور ہی قرآن کے معلومات افزا مضامین سے بھرا ہوتا ہے
واقعہ یہ ہے کہ اگر قرآن سے وابستگی ہے تو اسلام سے وابستگی ہے اور اگر اسلامی نصب العین ہمارا
مقصود و مطلوب ہے تو قرآنی علوم و معارف کو خود بھی حاصل کرنا ہوگا اور دوسروں تک بھی ان علوم اور اس
پیغام ابدی کو پہونچانا ہوگا ۔

قرآنیات کے موضوع پر معارف کی نگارشات کا جائزہ کچھ اس طور پر ہے :

۱۔ فہم قرآنی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی اور مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور نکات ذیل ——

- ہجا، الفاظ، آیات، اجزاء، متشابہات، مقطوعات، اختلافات مصاحف
- اوقات، وقف تام، قرأت، معانی، تفسیر مشکل، مجاز، مختلف المعانی الفاظ
- غرائب القرآن، لغات القرآن، نزول القرآن، فضائل قرآن، خصائص قرآن
- انکشافات، ادبیات، ناسخ و منسوخ کی توضیحات ایک ہی مقالے میں یا الگ الگ عنوان سے

---

[9] رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ (جولائی 1916ء)

پیش کیے مثلاً فہم قرآنی کے اصول و شرائط ـــ عبدالسلام ندوی

۲۔ آیات قرآنی کی تاویل، توجیہہ و تشریح سے متعلق اور ان کے استفسارات سے متعلق مقالات پیش کیے

مثلاً ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ کے متعلق چند سوالات کے جواب ـــ ضیاء الدین اصلاحی

+ وان منکم الا واردھا کی صحیح تاویل ـــ ضیاء الدین اصلاحی

۳۔ مختلف سورتوں کی تفاسیر اور ان میں مذکورہ واقعات کی وضاحت سے متعلق مقالات پیش کیے اور تفسیر کے موضوع پر دیگر مصنفین کے کاموں پر تبصرے شائع کیے

مثلاً سورہ فاتحہ کی تفسیر مصنفہ محی الدین قصوری پر تبصرہ + سورہ یوسف کی تفسیر ـــ صادق علی

۴۔ نامور مفسرین کے حالات زندگی اور ان کے کام کے جائزے پیش کیے

مثلاً ابو مسلم اصفہانی، ابن قیم، حافظ ابن کثیر، شیخ طنطاوی، ثناء اللہ امرتسری، ابن جریر طبری، امام فخر الدین رازی، خواجہ عبدالحی، عبدالماجد دریا بادی وغیرہم کے تفاسیر و تراجم پر نقد و تبصرے پیش کیے۔

۵۔ قرآن حکیم میں سابقہ کتب سماویہ مثلاً توریت و انجیل کے حوالوں سے متعلق پُر مغز مقالات پیش کیے

مثلاً قرآن میں بائبل کے حوالے ـــ سعید انصاری

۶۔ قرآن کو الہامی کتاب ماننے سے انکار کرنے والوں کے ردّ و ابطال سے متعلق مقالات پیش کیے بالخصوص نیاز فتح پوری جیسے اشخاص کو علمی و تحقیقی سطح پر پسینے چھڑا دیے اور توبہ و رجوع کرنے پر مجبور کر دیا

مثلاً کیا قرآن رسول کا کلام ہے ؟ ـــ سید سلیمان ندوی (نیاز فتح پوری کے ردّ میں)

۷۔ قرآن مجید کی معجز نمائی کے موضوع پر اس کے معنوی پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی

مثلاً معجزۂ قرآنی کی نوعیت ـــ عبدالسلام ندوی

۸۔ فلسفۂ قرآن حکیم کی نہایت خوبصورتی کے ساتھ وضاحت کی مثلاً قرآن کا فلسفۂ مذہب ـــ میر ولی الدین

۹۔ جمع و تدوین قرآن اور نظم قرآنی سے متعلق موضوعات پر روشنی ڈالی

مثلاً نظم قرآنی ـــ امین احسن اصلاحی تدوین قرآنی ـــ شاہ معین الدین ندوی

۱۰۔ قرآن حکیم میں مذکور بعض شخصیات کی بابت مختلف رائے پائی جاتی ہے اس سلسلے میں توضیحات پیش کیں

مثلاً آذر + السامری + ہاروت ماروت ـــ ابوالجلال ندوی

۱۱ ۔ قرآن کریم میں مذکور شخصیات کے ضمن میں معلوماتی مقالے پیش کئے مثلاً مریم عمران + ذوالکفل + یوسف + ایوب + اصحاب الاخدود — ابو الجلال ندوی

۱۲ ۔ کچھ تاریخی حقائق اور کچھ تاریخی شہروں سے متعلق وضاحت طلب امور کی توضیح پیش کی مثلاً بنت سبا + پننگ سیام + بابل + ارم — ″

۱۳ ۔ دیگر زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم سے متعارف کیا مثلاً قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے — ڈاکٹر حمید اللہ

۱۴ ۔ دنیا میں قرآن کریم کے نایاب نسخوں سے متعلق اسرار و رموز اور اثرات کا انکشاف کیا
مثلاً دنیا میں قرآن کے نایاب نسخے اور ان کی خصوصیات و کیفیات — حافظ نذیر احمد

۱۵ ۔ قرآن کریم سے متعلق مختلف لوازم اور اخلاق و کردار کی وضاحت کی
مثلاً تواضع اور قرآن — مجیب اللہ ندوی   قرآن اور سیرت سازی — میر ولی الدین

۱۶ ۔ قرآن کریم سے متعلق نفسیاتی بیماریوں کے علاج معالجہ پر روشنی ڈالی
مثلاً قرآن اور علاج خوف — میر ولی الدین   قرآن اور علاج غضب — میر ولی الدین

۱۷ ۔ کامیاب اور بامراد زندگی کے حصول کے لئے قرآنی ہدایات و رہنمائی کے لافانی سرچشمہ سے قبول و اخذ کے لائحہ عمل کی پیش کش کی مثلاً کامیاب زندگی کا قرآنی تصور — میر ولی الدین

۱۸ ۔ قرآن اور سائنس میں مطابقت کے موضوع سے متعلق مقالات کی پیش کش کی مثلاً قرآن مجید اور سائنس — عبد الودود

۱۹ ۔ قرآن کے ذریعہ جغرافیائی حقائق کی نشاندہی کے موضوع پر مثلاً ارض القرآن — سید سلیمان ندوی

۲۰ ۔ قرآن مجید کی بے مثال فصاحت و بلاغت سے شعر و ادب کا موازنہ مثلاً قرآن مجید اور شاعری — عبد السلام ندوی

۲۱ ۔ قرآن کے اجتماعی موقف کی حمایت مثلاً اجتماعیات کا قرآنی تصور — بدر زمان صدیقی

سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم نہ صرف مسلمانوں کے لئے بلکہ عالم انسانیت کے لئے بلکہ عالم جن و انس و دیگر مخلوقات کے لئے اخذ و استفادہ اور ہدایت و رہنمائی کا وہ روحانی اور بنیادی سرچشمہ حیات ہے جس کی لافانی روشنی میں آج ترقی یافتہ قومیں اپنے حق میں ایجادات اور تحقیقات کے لئے مضبوط و مستحکم GROUND بنا رہی ہیں جبکہ مسلمان اس مقدس کتاب کو عمومی سطح پر سرسری مطالعہ تک محدود کرنا ہی اپنی سعادت جانتے ہیں حالانکہ تازہ ترین ایجادات اور تحقیقات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سائنس، ٹیکنالوجی، جغرافیہ، سمندری علوم،

اور علوم فلکیات وغیرہ کا خزانہ ہے ۔ فن طب ، فن جراحت، علوم
نباتات و حیوانات و جراثیم کی بیش از بیش معلومات فراہم کرنے والا
ہے ۔ طبقات ارضی و سماوی کے رازوں کو کھولنے والا ، ہیئت و
فلکیات کے علوم کو سکھانے والا ، بے شمار سائنسی و جغرافیائی کلیوں
اور اصولوں کو ثبت اور منضبط کرنے والا ہے ۔ خلاؤں کی طرف بلکہ ہر جہت میں
اپنے مطلوب و مقصود تک رسائی کرانے کے لئے ہمت و حوصلہ اور حرکت عمل عطا کرنے
والا ہے ۔ اور تمام ظاہری و باطنی ، اندرونی و بیرونی ، جسمانی و روحانی ، مادی و
حقیقی حجابات کو ہٹانے والا ، ہر شے پر اس اشرف المخلوقات کو قبضہ و تصرف دلانے
والا ایک CONSTANT طاقت ور محرک اور بہترین STIMULANT اور CATALYST
کا رول ادا کرنے والا ہے ۔ قیامت تک قرآنیات پر جتنا کچھ لکھا جائے کم ہے ۔
قرآن کی معرفت خود اپنی معرفت یا خدا تعالیٰ کی معرفت ہے اور تمام علوم کے
حصول کی جڑ ہے ۔ مشروب ہے، غذا دوا ماوی و ملجا ہے ، معاشیات
اور اقتصادیات کے مسئلوں کو سلجھانے والا ہے ، غربت و افلاس سے نجات دلانے والا
ہے ۔ ہر تکلیف کو دور کرنے والا ، ہر پیچیدگی کو ختم کرنے والا ہے ۔ انفرادی
اور اجتماعی حیثیت سے اور شخصی و تنظیمی سطح پر جو بھی اس ضمن میں
خدمات انجام دے گا اور جو لوگ بھی اپنی بہترین صلاحیتوں کو وقف
کریں گے دنیا و آخرت میں سرخروئی و سرفرازی کے مستحق بن سکیں گے ۔

اس سلسلے میں ادارہ معارف کی قرآن فہمی خدمات قابل قدر ہیں اور
موجب حصول سعادت منزل ہیں ۔

۳۔ فقہ

فقہ علوم اسلامیہ کی ایک ضروری اصطلاح اور ایک اہم شعبہ علمی ہے جو ہماری روزمرہ زندگی میں عبادات اور معاملات سے متعلق ضروری مسائل اور قوانین کو DEAL کرتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ انفرادی و اجتماعی حقوق کی حیثیت و حدود کا تعین کرتا ہے جن میں راعی و رعایا اور حاکم و محکوم دونوں کے حقوق کی رعایت اور تحفظ شامل ہوتی ہے۔ اسلامی حکومتوں کی حدود میں شرعی قوانین کے نفاذ کے لئے یہی ادارہ ذمہ دار ہوتا ہے جس کا تعلق عام طور پر عدالتوں اور حکم انصاف سے ہوتا ہے۔ اسلامی حکومتوں کے قضاۃ اور JUDGES صاحبان کے لئے علم فقہ کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ مہذب دنیا نے بھی فقہ اسلامی (ISLAMIC JURISPRUDENCE) کو دنیا کے ایک اہم اور قابل نافذ العمل سلسلۂ قوانین کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ اور ہر ملک کی قانون کی کتابوں میں بالخصوص عالمگیر شہرت کی حامل مقننہ کی کتابوں میں اس علم کا ایک خصوصی CHAPTER ہوتا ہے اور دنیا کے تمام اعلیٰ قانونی محکموں مثلاً ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں یا اقوام متحدہ کی INTERNATIONAL COURT OF JUSTICE میں جو قانون داں اپنی خدمات انجام دیتے ہیں ان کے لئے اس علم کو بھی قوانین کے دوسرے علوم کی طرح جاننا اور سمجھنا ضروری ہوتا ہے خواہ قانون کا ماہر مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ غیر مسلم حکومتوں میں بھی جہاں مسلمانوں کے اپنے مذہبی قوانین کے نفاذ کے لئے شرعی ادارے اور شرعی عدالتیں قائم ہیں مثلاً صوبہ بہار و اڑیسہ کا مشہور و معروف "امارت شرعیہ"[1] کا ادارہ جو MUSLIM PERSONAL LAW کو DEAL کرنے کے معاملے میں ملک گیر شہرت کا حامل ہے۔ ان اداروں میں قاضی اور مفتی کے عہدیداروں کے لئے علم فقہ کا جاننا ضروری ہے جب ہی وہ اس قابل ہوں گے کہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق فتاوے یا فیصلے صادر کر سکیں۔ چونکہ بھارت کی نام نہاد SECULAR حکومت میں بھارت کے تمام شہریوں کے حق میں UNIFORM CIVIL CODE کی تجویز ایک مدت سے زیر غور ہے یعنی ایک ایسے سلسلۂ قوانین کا نفاذ جو بھارت کے تمام شہریوں کے حق میں یکساں طور پر قابل قبول ہو۔ یہ منصوبہ مسلمانوں کے حق میں زہر ہلاہل ہے اور ان کے اسلامی کردار اور مذہبی تشخص کو ملیا میٹ کر دینے کی ایک منظم اور سوچی سمجھی سازش ہے۔ بہرحال یہاں پر اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ ہر مسلمان کے لئے علم فقہ سے متعلق موٹی موٹی باتوں کی جانکاری نہ صرف یہ کہ لازمی اور ناگزیر ہے بلکہ اس علم سے اپنی نجی اور اجتماعی زندگی میں استفادہ کی گنجائش نکالنا بھی ضروری ہے۔ خاص طور پر موجودہ دور کے چند سنگین مسائل مثلاً طلاق، سود، جہاد، شراب اور منشیات کے استعمال وغیرہ جیسے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے جو

لہ صدر دفتر پھلواری شریف پٹنہ ۔ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر مشرقی ہند کا ممتاز شرعی ادارہ

موجودہ دنیا کا یہ بالعموم اور اسلام کا بالخصوص [illegible] دورِ جاہ سے ہونے ہیں فقہی مسائل کا بیان اور
ان کی روشنی میں اپنے مسئلے حل کرتے [illegible] تاریخِ اسلامی کے پانچ ممتاز فقہاء نے بھرپور حصہ
علمی صلاحیت کے اعتبار سے منفرد مقام [illegible] فرائض اور فرد و احکام کی وضاحت کے معاملے میں
ان کی زندگیاں مسلمانوں کے حق میں نمونہ [illegible] اہل سنت والجماعت کے چار نامور فقہاء
یعنی امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل اور جانبانِ تشیع امام جعفر صادق
ہیں کی روشن کردہ زندگی کا نصب العین بنا کر تو مسلم اہل فقہ متفق ہیں۔ امام اعظم کا زہد و تقویٰ اپنی جگہ کمال
پر ہے کہ مسلسل چالیس برس تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنے کا حوالہ بتاتے ہیں۔ امام شافعی
اہل بیت اطہار کی محبت و اطاعت میں اپنے سرشار اور متقدم الاقوال نظر آتے ہیں جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔[۱]
امام مالک اور امام احمد ابن حنبل نے فقہی مسائل کے ابلاغ کے سلسلے میں جس بے مثال عزم و عزیمت کو اختیار کیا
وہ شریعت و سنت کی راہ پر چلنے والے رہ نوردوں کے لئے قیامت تک مشعلِ راہ کا کام کرے گا۔

آج کے دور میں مسلمان عموماً عبادات، معاملات کے معاملات اور چند عائلی قوانین کے ضمن میں تو
علم فقہ سے رجوع کرتے نظر آتے ہیں مگر زندگی کے بہت سے ضروری معاملات مثلاً [illegible] سے متعلق مسائل میں
مخلوط معاشرے کے مسائل میں، [illegible] سے متعلق مسائل میں، حلال اور حرام روزی کمانے کے معاملے میں اور دنیا و
[illegible] میں، خواہ بالنفس ہو یا بالغیر، عام طور پر چشم پوشی کرتے ہیں اور شاید ان پہلوؤں نے بھی
دورِ جدید میں اسلامی شریعت کو ناقابلِ عمل سمجھنے والوں کے [illegible] پہچان کو تذبذب اور ادبار کا پیش خیمہ بنا
دیا ہے۔ حالانکہ وقت کا تقاضا تو تقریباً سو برس پہلے ہی ان کی ضرورت میں کوشش کو ادا کر چکا ہے۔
[illegible] سمجھنے کی اجازت [illegible] نادان یہ سمجھ لے کہ اسلام سے آزاد

فقہ کے موضوع پر اس بات کو سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ سنیوں کے یہاں چار فقہی مسالک
یا مذاہبِ اربعہ رائج ہیں ان میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری ہے یعنی امام ابو حنیفہ کا مسلک جس کے ماننے والے کو
حنفی کہتے ہیں، امام شافعی کا مسلک جس کے ماننے والے کو شافعی، امام مالک کا مسلک جس کے ماننے والے کو مالکی
اور امام احمد ابن حنبل کا مسلک جن کے ماننے والے کو حنبلی کہتے ہیں۔ حنفی کا صیغۂ جمع احناف، شافعی کا شوافع
اور حنبلی کا حنابلہ ہے۔ حضرات تشیع کے یہاں فقہ جعفری رائج ہے جو امام جعفر صادق سے منسوب ہے۔
مذکورہ فقہائے کرام کے مسالک قرآن اور سنت کی بنیاد پر قائم ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں ہدایہ کا نام زندہ ہے اور
فتاویٰ عالمگیری کو شہرت حاصل ہے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ بھی فیروز شاہ تغلق کے زمانے کا کارنامہ ہے۔

---

[۱] " یا [illegible] " [illegible] القرآن [illegible] " [illegible]
[illegible] ([illegible]) [illegible]

جو صوبہ بہار کے صوبیدار اور سپہ سالار خان اعظم تاتار خان کی زیر سرپرستی شیخ عالم بن عبد الواحد کے ہاتھوں مرتب ہوا تھا۔ فتاویٰ عالمگیری عہد اورنگ زیب عالمگیر کا بے مثال و بے عدیل کارنامہ ہے جس کی ترتیب و تدوین شیخ احمد المعروف بہ ملا جیون (استاذ عالمگیر) کی نگرانی میں ہوا تھا۔[12]

علم فقہ کی ندریت کے سلسلے میں معارف نے جو قابل قدر رول ادا کیا ہے اس کی وضاحت مندرجہ ذیل سطور میں کی جارہی ہے۔ معارف کی ان چند نگارشات کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں جو مختلف ضروری مسائل اور معاملات کے ضمن میں ہر خاص و عام کے مطالعہ اور واقفیت کے لئے ضروری ہیں:

۱۔ قرآنی احکامات کی ترویج مثلاً احکام القرآن ــــ سید سلیمان ندوی

۲۔ سنت نبوی کے موضوع پر مثلاً سنت ــــ "

۳۔ شریعت کے موضوع پر مثلاً شریعت کے ضمنی ماخذ ــ مجیب اللہ ندوی + شریعت کے بنیادی ماخذ مصطفیٰ احمد زرقا + مسلمانان ہند کا نظام شرعی ــــ سید سلیمان ندوی

۴۔ فقہ کی تشکیل اور سیاق و سباق کے ضمن میں مثلاً فقہ کی تشکیل اور آغاز کا مسئلہ ــ بوسکے ترجمہ حمید اللہ + فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر اور ماخذ ــ محمد تقی امینی + الاقتصاد الاسلامی ــــ عبد السلام ندوی + فقہ اسلامی کے مذاہب اربعہ پر ایک اجمالی نظر ــ احمد تیمور پاشا ترجمہ ریاست علی ندوی

۵۔ اجتہاد کے موضوع پر مثلاً کیا متفقہ اسلامی احکام کو بھی اجتہاد کے ذریعہ بدلا جاسکتا ہے ــ مجیب اللہ ندوی + اجتہاد ــ محمد تقی امینی + اجتہاد ــ مصطفیٰ احمد زرقا ترجمہ ضیاء الدین اصلاحی

۶۔ مذاہب اربعہ کے اماموں اور ذمہ دار شخصیتوں کے نقطۂ نظر سے متعلق مثلاً امام ابو حنیفہ کی فقہ ضیاء الدین اصلاحی + امام ابو یوسف اور ان کے فقہی کارنامے ــ ضیاء الدین اصلاحی + امام اوزاعی ــ مجیب اللہ ندوی

۷۔ وراثت مثلاً الوراثۃ فی الاسلام ــ اسلم جیراجپوری تبصرہ ابو الحسنات ندوی + محجوب الارث ــ اسلم جیراجپوری + اسلامی قانون وراثت کی خصوصیات ــ محمد عبد الرزاق خان + مسئلہ انتقال جائیداد بنام اشخاص وغیر موجود

۸۔ زکوٰۃ و عشر مثلاً اسلامی معاشیات کے چند فقہی اور قانونی ابواب ــ مناظر حسن گیلانی + کتاب العشر والزکوٰۃ ــــ عبد الصمد رحمانی + شریعت اسلامی اور موجودہ کاشتکاروں کے حقوق عبد الصمد رحمانی + نصاب زکوٰۃ ــ موجودہ علام احمد پرویز

۹۔ سود مثلاً تحریم سود اور اس کے علل و اسباب ــ عبد السلام ندوی + غیر اسلامی ممالک میں سود و قمار کا حکم ــ ظفر احمد تھانوی + مسئلہ سود مسلم دارالحرب میں ــ مناظر حسن گیلانی + مسئلہ سود ــ عروج قادری

---

[12] سلاطین ہند کا نظام شرعی ــــ ناصر امینی ص ۲۷

۱۰۔ جزیہ مثلاً الجزیہ — سعید الفاری + سند معافی جزیہ بہ عہد عالمگیر — سید سلیمان ندوی

۱۱۔ حقوق زوجین مثلاً ضابطہ تحفظ حقوق زوجین — سید سلیمان ندوی + مسئلہ حقوق نسواں سید سلیمان ندوی

۱۲۔ نکاح، طلاق، خلع مثلاً کیا ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت نکاح نہیں کر سکتی — سید سلیمان ندوی

+ مسئلہ تطلیقات ثلاثہ فی مجلس واحد — ابو الحسنات ندوی

۱۳۔ کم سنی کی شادی مثلاً حضرت عائشہ کی عمر ان کے نکاح کے وقت کیا تھی — سید سلیمان ندوی

+ شریعت اسلامی میں کم سنی کی شادی — "

۱۴۔ مسلم پرسنل لا مثلاً تجدد پسند مسلمان اور پرسنل لا میں تبدیلی — "

۱۵۔ وقف کا مسئلہ مثلاً وقف اور امام ابو حنیفہ — سید فضل اللہ

+ اوقاف کا مسئلہ اور ہندوستان میں ملی ضروریات کے لیے ان کا استعمال سید سلیمان ندوی

۱۶۔ نماز مثلاً لندن میں نماز ظہر اور عصر کے اوقات — قاضی عبد الرحمن

+ مساجد اور غیر مسلم — مولانا ابو الکلام آزاد

۱۷۔ روزہ مثلاً ایام صیام — چودھری غلام احمد پرویز

+ ایام صیام پر نظر ثانی — سید سلیمان ندوی

۱۸۔ حج مثلاً امام محمد کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینہ — قاضی اطہر مبارکپوری

۱۹۔ شراب مثلاً کیا شراب نجس نہیں — سید سلیمان ندوی

۲۰۔ تعزیرات مثلاً قرآن میں آیت رجم — مجیب اللہ ندوی

۲۱۔ فتاویٰ مثلاً فتاویٰ عالمگیری اور اس کے مولفین — مجیب اللہ ندوی

+ ملا فصیح الدین پھلواروی جامع فتاویٰ عالمگیری — معین احمد قادری + فتاویٰ کے دو گمنام مولفین — پیر حسام الدین راشدی

+ قاضی سید عنایت اللہ مونگیری مولف فتاویٰ عالمگیری — ابو ظفر ندوی + فتاویٰ ابن تیمیہ — ابو الحسنات ندوی

+ فتاویٰ بابری مرتبہ خوافی — شیخ فرید برہان پوری + الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ — حبیب الرحمن اعظمی

+ کچھ فتاویٰ تاتارخانیہ کے متعلق — ریاست علی ندوی

+ ایک مسلمان خاتون کی اردو فقہی تالیف — تمکین کاظمی

۴-احادیث معارف نے فن حدیث سے متعلق بھی قابل قدر خدمات انجام دی ہے ۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم فن حدیث کے ضمن میں معارف کی مذکورہ خدمات کو پیش کریں یہ ضروری ہے کہ فن حدیث سے متعلق چند بنیادی اور ضروری باتوں کو سمجھ لیا جائے جو مبتدی اور منتہی سب کے لئے ضروری ہے اور جس کے تمہیدی ذکر سے صرف نظر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ۔

ہر مسلمان اس بات کو جانتا ہے کہ حدیث سے مراد قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اقوال نبی کریمؐ کے مجموعہ کو ہی احادیث نبوی سے تعبیر کرتے ہیں ۔ حدیث نبوی کی براہ راست سماعت کرنے والے اصحاب رسولؐ اور صحابیات مطہرات ہیں ۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام میں سے ۱۲۷ صحابہ سے احادیث مروی ہیں ۔ ان میں ۱۱ ممتاز صحابہ ایسے ہیں جن سے زیادہ احادیث مروی ہیں اور ان میں بھی ۷ مقدس ہستیاں ایسی ہیں جن میں سے ہر شخص سے ایک ایک ہزار سے زائد احادیث نبویہ مروی ہیں ۔ انھیں فن حدیث کی کتابوں میں 'مکثرین' کی اصطلاح دی جاتی ہے یعنی کثرت سے حدیث کی روایت کرنے والے لوگ ۔ چونکہ وہ زمانہ 'زبانی تعلیم' کا تھا اور چونکہ لوگ عام طور پر صحت مند اور ذہین ہوا کرتے تھے نیز تعلیم وتعلم کے ذرائع و وسائل بھی آج کے دور کی طرح آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے تھے اس لئے کسی بھی علم وفن کی ضروری باتوں کو استاد یا متعلقہ صاحب علم وفن سے زبانی یاد کرلینے کا چلن عام تھا ۔ خواص کی بات تو چھوڑئیے عوام الناس کا حافظہ بھی ایسا ہوتا تھا کہ لوگ ایک بار جب کسی بات کو سن لیتے تھے تو پتھر کی لکیر کی مانند ان کے ذہن پر نقش ہوجاتی تھی ۔ ان حقائق کے باوجود احتیاطی تدابیر کے طور پر خواص کی حلقوں میں تھوڑا بہت لکھنے لکھانے کا رواج بھی تھا تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے بھی محفوظ رہ سکے ۔ یعنی ان تمام باتوں کا انطباق فن حدیث اور اس فن سے متعلقہ لوگوں پر ہوتا ہے ۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے مقدس گروہ میں ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں جبکہ احادیث نبویہ کو کسی ضرورت یا مصلحت سے ضبط تحریر میں لایا گیا ہو ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو نہ صرف یہ کہ علوم و معارف کا دفتر ہیں بلکہ بے مثال ذہانت کے حامل بھی ہیں ان کے پاس احادیث نبویہ سے متعلق اپنا ذاتی صحیفہ تھا جس میں احکام تھے [۱۳] عبداللہ ابن عمرو ابن العاص نے ایک ہزار حدیثیں جمع کی تھیں جن کے مجموعہ کو 'الصادقہ' کہتے ہیں [۱۴] بعد کے دور میں جبکہ احادیث نبویہ کی جمع وتدوین کے کام میں کوشش مشغول تھے یہ مجموعہ ان کے پوتے عمرو بن شعیب کے قبضہ میں آیا تھا اور اس مجموعہ کو دیکھنے کی سعادت

مشہور عالم دین مجاہدؒ کو حاصل ہوئی تھی ۔ عبداللہؓ کا شمار تاریخ اسلام کی ان سعادت مند اور عاقبت اندیش ہستیوں میں ہوتا ہے جن کو ان کے نامور والد حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر نے اپنی وفات سے قبل یہ وصیت کی تھی کہ بیٹے مجھے دفنا کرنے کے بعد اتنی دیر میری قبر پر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کرنے کے بعد اس کی بوٹیاں بنا کر تقسیم کر دی جاتی ہیں تاکہ تمہارے قرب کی نسبت سے میں اپنے آپ کو اپنے رب کے قاصدوں (یعنی نکیرین) کے سوالات کے جوابات کے لئے تیار کر لوں ۔ ۱۵

اللہ تبارک وتعالیٰ محدثین کرام کے درجات کو بلند فرمائے جن کو تاریخ اسلام کے ایک نازک ترین دور میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی اہم خدمت کے لئے منتخب فرمایا وقت کی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے جس کا انجام دینا اور دلانا بہت ضروری تھا ۔ انھوں نے جس حزم واحتیاط سے اس نازک کام کو نہایت خوش اسلوبی اور پوری فنکارانہ مہارت کے ساتھ انجام دیا اس کی مثال اسلام کے علاوہ کسی مذہب کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے ۔ حضرت ابوہریرہؓ نے 800 سے زیادہ طلباء کے روبرو احادیث بیان کیں ۔ ابن سیرینؒ کا ورود مسعود جس وقت کوفہ میں ہوا ہے صرف کوفہ میں جو بلاد اسلامیہ کا محض ایک شہر تھا تقریباً چار ہزار طلباء فن حدیث کی تحصیل میں لگے ہوئے تھے ۔ علی بن عاصم کے درس میں بھی چار ہزار طالبان حدیث شریک ہوا کرتے تھے ۔ سلیمان بن حرب کے درس میں چالیس ہزار ، عاصم بن علی کے درس میں تقریباً چار لاکھ ، یزید بن ہارون کے درس میں تقریباً ستر ہزار طالبان حدیث حاضر ہوتے تھے ۔ یہ طالبان حدیث کی تشنگی کی محض چند مثالیں بیان کی گئی ہیں ۔ ۱۶

حضور سرور کائناتؐ کے وصال کے بعد ایک مسئلہ یہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ پورے عالم اسلام کی حدود میں موضوع حدیثوں کی ایک بڑی تعداد پھیل گئی تھی جس کی ذمہ داری مندرجہ ذیل پانچ طرح کے گروہ پر عائد ہوتی ہے ۔ ۱۔ مبتدعین اسلام ۲۔ جماعتوں کے سردار اور فرقوں کے مبلغ ۳۔ وہ لوگ جو فرماں رواؤں کے لطف و عنایات کے متمنی رہتے تھے ۴۔ قصاص یعنی قصہ گو واعظین ۵۔ وہ نیک نیت محدثین جن سے اجتہادی غلطیاں سرزد ہوئیں اور جنھوں نے پاک مذہبی اغراض و مقاصد کے تحت کچھ احادیث وضع کر لینا جائز خیال کیا ۔ اس طرح محدثین کی اتنی بڑی تعداد جن کا قبل کے سطور میں ذکر ہوا ہے سب کے سب استعداد

اور احتیاط کے لحاظ سے یکساں صلاحیت کی مالک نہیں تھی اور نہ ہو سکتی تھی ۔ کچھ صاحب عزم و عزیمت اور غیر معمولی حزم و احتیاط کے آدمی تھے ، کچھ صاحب سہو و غفلت بھی تھے ۔ بہر حال ناموں محدثین نے ایسے سخت اصول اور ایسی عمدہ کسوٹیاں فن حدیث کو پرکھنے اور اس کے راویوں کو جانچنے کے لئے مقرر کی تھیں کہ دودھ اور پانی کو نہایت خوبی کے ساتھ الگ کر لیا گیا اور ہر صنف اور ہر قسم کی پہچان کے لئے علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں مقرر کی گئیں ۔

فن حدیث کا ایک اور مسئلہ 'مکرر احادیث' کا ہے ۔ احادیث مکرر بہت ہیں اور بہت سی ایسی ہیں جو ایک میں ہیں دوسرے میں نہیں ۔ اس لئے حدیث کے طالب علم کے لئے سب کو تلاش کرنا دشوار ہوتا ہے ۔ اس کے لئے محدثین نے مکررات کو چھوڑ کر اور متحد حدیثیں چھوڑ کر باقی کو یکجا کر دیا ہے ۔ ایسی کتابیں کنز العمال ۔ علی متقی + جامع الاصول ۔ ابن اثیر + مجمع الزوائد ہیثمی ہیں ۔ ابن اثیر نے بخاری مسلم ترمذی نسائی ابو داؤد اور موطا امام مالک کی حدیثوں کو یکجا کر دیا ہے ۔ ابن ابی بکر ہیثمی نے ابن ماجہ ، بزاز ، ابو یعلی ، طبرانی ، طبرانی صغیر طبرانی اوسط اور طبرانی کبیر کی حدیثوں کو یکجا کر دیا ہے جو مذکورہ صحاح ستہ میں موجود نہیں ۔ محمد بن سلیمان مغربی نے گیارہویں صدی کے مجموعہ احادیث کا اضافہ کر کے ان 12 کتابوں کی حدیثوں کو جمع کیا ہے جو 13 کتابوں پر مشتمل ہیں ۔ اور اس مجموعہ احادیث کا نام 'جمع الفوائد' رکھا ۔ [12]

عام طور پر لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ احادیث کے مجموعوں میں 6 مجموعوں کو خاص طور پر اہمیت اور شہرت حاصل ہے جن کو 'صحاح ستہ' یعنی احادیث نبوی کی چھ معتبر کتابیں کہا گیا جن کے نام بخاری + مسلم + ترمذی + نسائی + ابو داؤد اور ابن ماجہ ہیں ۔ اس کے علاوہ فن احادیث میں غیر معمولی شہرت کی حامل ایک اور مجموعہ احادیث ہے جس کو موطا امام مالک کے نام سے پکارتے ہیں لیکن چونکہ اس کتاب میں فن روایت کی کمی پائی جاتی ہے اس وجہ سے اس کو صحیح کے درجے میں نہیں لیا گیا ۔ باوجودیکہ حدیث کی یہ کتاب فن حدیث کے یکتائے زمانہ محدث امام دار الہجرۃ حضرت امام مالک ابن انسؒ کی ترتیب دی ہوئی ہے جو

تاریخ اسلام کے عظیم المرتبت فقیہ و عالم دین اور نہایت حازم و محتاط محدث کی حیثیت سے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ خود موطا کے معنی روند ڈالے کے ہیں یعنی ایک ایسی کتاب جو نقد و فن کے اعتبار سے پوری طرح روند ڈالی گئی ہو۔ چونکہ عباسی خلیفہ منصور نے جو امام موصوف کا عقیدت مند تھا حدیث کے فن پر ایک ایسی کتاب ترتیب دینے کی درخواست امام صاحب کی خدمت میں پیش کی تھی جو فنی معیار پر پورے طور سے روند ڈالی گئی ہو۔ چنانچہ امام صاحب نے ایسا ہی کیا اور اس مجموعہ کا نام اسی سبب سے "موطا" پڑا جو واقعی اسم با مسمیٰ ثابت ہوا اور اس وقت کے لحاظ سے فن حدیث کے موضوع پر نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ لیکن بعد کے نامور محدثین مثلاً امام بخاری اور امام مسلم وغیرہم نے روایت و درایت کے فن کو منتہائے کمال تک پہونچایا اور اپنے پیش رو سے زیادہ حزم و احتیاط اور ہوشیاری و بیدار مغزی کا ثبوت دیا تاکہ اس فن کے سیکھنے اور پرکھنے والے کو کسی بھی پہلو سے کمی اور جھول محسوس نہ ہو۔ صحاح ستہ اور موطا امام مالک کے بعد فن حدیث کی جمع و ترتیب سے متعلق جو کتابیں منظر عام پر آئیں اور سند قبولیت سے مشرف ہوئیں ان میں مسند احمد ابن حنبل، مسند دارمی اور مشکوٰۃ المصابیح وغیرہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہے۔

کسی مخصوص باب کے تحت کسی خاص حدیث کی تلاش کی تکلیف سے بچنے کے لئے علمائے فن حدیث نے ایک علم ایجاد کیا جس کو "علم الاطراف" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح محدثین اور راویوں کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے "اسماء الرجال" کا فن ایجاد کیا گیا جو مسلمانوں کا مخصوص فن ہے اور مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم ایسے نادر الوجود علم و فن کی مثال نہیں پیش کرسکتی جس کے تحت راویوں کے مکمل حالات زندگی، زندگی کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ، حسب نسب وغیرہ جیسے معاملات و تفصیلات غیر معمولی جانفشانی کے ساتھ لکھے گئے ہیں تاکہ محدثین کے روبرو ایک ایسی کسوٹی پیش نظر رہے جس پر کسی بھی صاحب فن کے اعمال و کردار، ذہانت و فطانت اور نسیان و خطا کے معاملات کو جانچا اور پرکھا جاسکے۔

اس ضروری ابتدائیہ کے بعد جس کو اگلی تفصیلات کے تعارف نامے اور سیاق و سباق کی حیثیت حاصل ہے ہم اپنے مطلوبہ موضوع کی طرف پیش رفت کرتے ہیں اور حدیث کے موضوع پر معارف کی قابل قدر خدمات کا ذکر کرتے ہیں جن کو مندرجہ ذیل مراحل میں بانٹ کر سمجھا جا سکتا ہے :

۱ - معارف نے معتبر احادیث کے مجموعوں کی تلخیص اور ترجمے سے متعلق گراں قدر مقالات کو پیش کیا تاکہ ایک عامی بھی کم وقت میں مذکورہ فن سے متعلق زیادہ سے زیادہ باتوں کو سمجھ لے مثلاً احادیث اسلام — محمد زبیر صدیقی کی تلخیص و ترجمہ مجمع عزیز + جمع الفوائد کی تلخیص جو حدیث کی ۱۴ کتابوں کا مجموعہ ہے -

۲ - علم الاطراف، اسماء الرجال اور فن سیر کے ضمن میں معلومات افزا مقالات پیش کئے مثلاً علم الاطراف — شمس العلماء خان بہادر ڈاکٹر ہدایت حسین + اسماء الرجال کی تلخیص + احادیث و سیر کی تحریری تدوین — سید سلیمان ندوی + محدثین کے فضائل اخلاق — عبدالسلام ندوی

۳ - فن حدیث پر صاحبان اقتدار اور ارباب سلطنت کے اثرات کی توضیع سے متعلق مقالات کی پیش کش مثلاً کیا علم حدیث پر سلطنت کے اثرات پڑے ہیں — عبدالسلام ندوی

۴ - خواتین و مستورات کی اہم خدمات فن حدیث کی تحصیل و ترسیل کے ضمن میں، اس موضوع سے متعلق مقالات مثلاً خدمت حدیث میں خواتین کا حصہ — مجیب اللہ ندوی

۵ - محدثین کی صحاح، سنن اور مسندوں کی جامعیت اور خصوصیات سے متعلق مقالات مثلاً امام بخاری اور ان کی جامع صحیح کی خصوصیات — تقی الدین ندوی + مسند امام احمد ابن حنبل اور اس کی خصوصیات — ضیاء الدین اصلاحی + امام ترمذی اور ان کی جامع — شاہ معین الدین ندوی + امام نسائی اور ان کی سنن — ״

۶ - تدوین حدیث کے موضوع سے متعلق مثلاً تدوین حدیث — مناظر احسن گیلانی

۷ - برصغیر میں علم حدیث کی تحصیل وصول اور محدثین کی خدمات کے ضمن میں مثلاً ہندوستان میں علم حدیث — امام خان نوشہروی + شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث — ظفر احمد تھانوی + حضرت مخدوم الملک شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری اور علم حدیث — شاہ نجم الدین

۸ - احادیث کے قدیم قلمی نسخوں کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ مثلاً صحیح مسلم کا ایک قلمی نسخہ — حبیب الرحمن خان شیروانی + صحیح مسلم کا ایک قدیم نسخہ ہندوستان میں — امتیاز علی خان عرشی رام پوری

۹ - منکرین حدیث کے رد و ابطال کے ضمن میں — انکار حدیث — شاہ معین الدین ندوی

۱۰ - فن حدیث پر متفرق کاموں کے ضمن میں مثلاً مبارق الازہار کس کی تصنیف ہے؟ حبیب الرحمن اعظمی + الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ — حبیب الرحمن اعظمی

---

۱۳ + ۱۲ + ۱۴ + ۱۱ تدوین حدیث — محمد علی ص ۲۴+۲۵

۱۵ فاتح مصر — علی شاذلی ص ۴۵

۵۔ تصوفات

تصوف کا موضوع علوم اسلامیہ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مخالف و موافق نظریات نے تصوف کو بہت حساس و نازک موضوع کی حیثیت دی۔ تصوف کے متعلق ہم یہاں 'بزمِ صوفیاء' کے مولف اور معارف کے مدیر شہیر سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کا اقتباس ہی کافی سمجھتے ہیں:

"دہلی کے ایک سیمینار میں بظاہر ایک متشرع اور دین دار عالم کی زبان سے بڑے دکھ کے ساتھ یہ سننے میں آیا کہ تصوف سے اسلام کو جتنا نقصان پہونچا کسی اور چیز سے نہیں پہونچا۔ اس سے پہلے دہلی کے ایک بین الاقوامی سیمینار میں ایک یونیورسٹی کے ممتاز دانشور دعویدار ہوئے کہ تصوف کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں۔ اس کی تائید ایران کے ایک مندوب نے بھی کی۔ جب لوگ خلافت راشدہ، حدیث، فقہ اور کلام کے منکرین ہو سکتے ہیں تو تصوف کے منکرین پر کیا تعجب ہے۔ تصوف پر یہ اعتراضات نئے نہیں، بہت پرانے ہیں۔ ان کے مدلل جوابات بھی دئے جاچکے ہیں۔ جن کو حقیقت اور صداقت کی جستجو رہی ان کی تشفی تو ان جوابات سے ہوگئی مگر جن کے اعتراضات ذہنی تفریحات یا مناظرانہ مباحثہ یا کسی مطلب برآری کے لئے تھے ان کی تشفی نہ ہوسکی اور نہ آئندہ ہو سکے گی۔ اگر تصوف سے اسلام کو نقصان پہونچا تو کیا حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، مولانا جلال الدین رومیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتیؒ، خواجہ بختیار کاکیؒ، خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ، خواجہ باقی باللہؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ وغیرہ جیسے بزرگانِ دین کو اسلام کو نقصان پہونچانے والوں میں شمار کیا جائے؟ کیا ان کا تعلق اسلام سے نہ تھا؟ کیا یہ وہ مشاہیر اسلام نہیں ہیں جن کے جلوے مسلمانوں کی مذہبی اور روحانی تاریخ میں سمائے ہوئے ہیں؟ ان سب کے حالات زندگی سے ظاہر ہے کہ یہ اگر صوفی تھے تو عالم بھی تھے۔ ایک صوفی کا عالم ہونا ضروری ہے۔ ایک عالم اور صوفی میں کوئی تضاد نہیں۔ صرف دونوں کے روحانی مدارج میں فرق ہے۔ دونوں کی منزل ایک ہوتی ہے، صرف کچھ طریقے الگ الگ ہوتے ہیں۔

بگڑے ہوئے صوفیوں سے اسلام کو ضرور نقصان پہونچا مگر بگڑے ہوئے علماء سے بھی تو اسلام کو نقصان پہونچتا رہا ہے۔ اگر بگڑے ہوئے علماء کی وجہ سے اسلام کو برا کہنا غلط ہے تو بگڑے ہوئے صوفیوں کی وجہ سے تصوف کو برا کہنا کہاں

تک صحیح ہے؟ ریاکار صوفیوں کی مذمت ہر زمانہ میں کی گئی ہے۔ آج سے تقریباً نو سو سال پہلے شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ نے اپنی تصنیف 'کشف المحجوب' میں ایسے دنیادار صوفیوں کو جن کے سامنے مال و منال یا جاہ و حشمت ہوتی ہے صاحب وصول اور صاحب اصول کی بجائے صاحب فضول کہا ہے اور ان کی سختی سے مذمت کی ہے۔ اس برصغیر میں کشف المحجوب تصوف کی مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے اور اس میں یہ صاف طور پر کہا گیا ہے کہ جس طرح آفتاب سے نور، جوہر سے عرض اور موصوف سے صفت جدا نہیں ہو سکتی اسی طرح تصوف سے اسلامی شریعت الگ نہیں کی جا سکتی۔ پاک طینت صوفیائے کرام کا یہی مسلک رہا ہے۔ ان کے نزدیک وہ عبادات، کرامات، احوال اور کیفیات حتیٰ کہ علوم لدنیہ اگر شریعت کے مطابق نہیں تو وہ ضلالت، گمراہی اور بے دینی ہیں۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جن صوفیا نے کتاب و سنت کو ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں، مگر اسی کے ساتھ وہ ان علماء کے لئے جو تصوف کا انکار کرتے ہیں بہت ہی سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اس برصغیر میں موجودہ صدی کے سب سے بڑے مفکر اسلام علامہ اقبال خانقاہوں میں مجاور بن کر رہنے والے صوفیوں کو تو برا سمجھتے ہیں مگر وہ نہ دانجم کے محاسب اور ایام کے راکب صوفیوں کے معترف ہیں۔ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ تصوف ہی کی خلوت میں سوز سخن حاصل ہو سکتا ہے، شرع مسلمانی کے ساتھ تہذیب مسلمانی ہی سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔ مومن کی امیری اس کی فقیری ہی میں ہے، مسلمانوں کو تونگری سے نہیں قلندری سے سب کچھ حاصل ہوا، ان کی نگاہ جہاں بیں اسی وقت ہو سکتی ہے جب یہ پاک ہو اور یہ فقیری ہی سے پاک ہوتی رہی ہے۔ مگر یہ سارے دلائل ان کے لئے بیکار ہیں جو کسی چیز کو کھلے ذہن سے سمجھنا نہیں چاہتے۔ انکار، تشکک، تذبذب اور عقل پرستی کی بے راہ روی کے کالے بادل اسلام کے آسمان پر ہر زمانے میں امنڈ کر آتے رہے ہیں مگر انھیں کے اندر سے اسلام کا آفتاب بھی برابر جگمگاتا ہوا نکلتا رہا ہے۔ اسی آفتاب کی ایک روح پرور شعاع تصوف ہے۔ اسلام سے اس کو روشنی ملتی ہے تو یہ بھی اسلامی زندگی کو اپنی روحانی تعلیمات سے روشن کرتا رہے گا۔"[18]

اس تحریر سے دراصل تصوف کے متعلق دارالمصنفین اور رسالہ معارف کا رویہ و نظریہ بھی واضح ہوتا ہے۔ معارف نے اس موضوع پر مستقل مضامین شائع کئے تاہم کسی ایک مضمون کی نسبت بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ راہ اعتدال و توازن سے متجاوز ہے۔ معارف اس جادۂ اعتدال پر ہمیشہ استقامت و سلامتی سے گامزن رہا۔ چنانچہ تصوف کے ایک مشہور ماہر، نباض اور رمز شناس ڈاکٹر میر ولی الدین کے مضامین سید سلیمان ندوی کی زندگی میں ان صفحات کی زینت بنے۔ ان کے ایک سلسلہ مضامین کی جھلک سے اس بہار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دارو ئے جان، بے خوف زندگی، محبت راقبوں کے ذریعے، بیماری اور اس کا روحانی علاج، وفور رزق، قوت ایمانیہ اور ظہور غیب، رفع خوف و حزن[19] وغیرہ اس بات کے دلیل اور شاہد ہیں کہ تصوف انسانیت کے حق میں ایک اہم ضرورت ایک ناگزیر حقیقت ہے، اس کے حق میں غذا، دوا، شفا، حل المشکلات اور قوت ایمانیہ کے حصول کا ذریعہ

ان کے علاوہ ہم ذیل میں چند اور مضامین کا ذکر کرتے ہیں ۔ افسوس کہ صفحات کی ضخامت کے خوف سے ان بلند پایہ مضامین کے اقتباسات پیش نہیں کئے جاسکے تاہم صرف عنوان سے ان کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے ۔

تصوف کے موضوع پر معارف کی نگارشات کا جائزہ حسب ذیل ہے :

۱۔ تہذیب و تزکیۂ نفس یا جہاد اکبر — مثلاً جہاد اعظم کی تیاری — صوفی نذیر احمد، تبصرہ پیر ولی الدین

+ اسلامی تصوف — نفلسن تبصرہ صباح الدین الفاروقی + فلسفۂ فقراء — سرامین جنگ بہادر

+ حکمائے مغرب اور فلسفۂ تصوف — عبدالماجد دریابادی + اسلامی تصوف کا نظری و عملی پہلو — گوپی چند نارنگ

۲۔ تصوف کی تاریخ اور اس کا پس منظر — مثلاً فن تصوف اور محدثین و صوفیاء میں تطبیق کی راہ — عبدالرحمن کشمیری، تبصرہ ریاست علی ندوی + تصوف کی اجمالی تاریخ — عبدالسلام ندوی

+ تاریخ تصوف کے چند اوراق — عبدالماجد دریابادی + اخوان الصفا — عبدالسلام ندوی

۳۔ تصوف اور صوفیائے کرام کے دوررس اثرات — مثلاً تصوف کا اثر علوم و فنون پر — عبدالسلام ندوی + صوفیانہ اثرات نظام اخلاق پر — عبدالسلام ندوی

+ شیخ شرف الدین احمد یحیٰ منیری اور علم و ادب — سید عبدالرزاق اورنگ آبادی

۴۔ تصوف کو فلسفیانہ انداز میں سمجھنے کی کوشش — مثلاً حقیقت و مجاز — شیخ عبدالقادر شاذلی

+ حقیقت و مجاز — عبدالسلام ندوی + حقیقت معرفت — ظفر احمد تھانوی

+ انسان اور معرفت کی نسبت صوفیائے ایران کا خیال — زد کو تو تسکی کی تلخیص

۵۔ تصوف کے نقطۂ نظر سے مراتب و مدارج کا تعین — مثلاً مراتب انسانی — پیر ولی الدین

+ مدارج سلوک — پیر ولی الدین

۶۔ فن تصوف پر الزام و اعتراض — مثلاً رہبانیت اور اسلام — عبدالسلام ندوی

+ عجمی تصوف اور وجود اسلام — اکرام الحق سلیم

۷۔ تصوف کے مسائل میں سے فقط ایک مسئلہ وحدت الوجود کی وضاحت —

مثلاً مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق اکابر اسلام کے خیالات — عبدالسلام ندوی

+ فلسفیانہ وحدت الوجود — عبدالباری + اسلامی فکر میں وحدت الوجود کا نظریہ — غلام مرتضیٰ

+ اسلامی فکر میں وحدت الوجود کا نظریہ — عبدالحی چشتی + وحدت الوجود — لنگا ناتھ جھا

۸ ۔ سوانح حیات صوفیائے کرام ـــ مثلاً تصوف کی تجدید واصلاح کرنے والے بزرگوں کے بارے میں ـــ عبدالسلام ندوی + حضرت سلطان الاولیاء کے حالات میں مورخ فرشتہ کی غلطی ـــ عبدالماجد دریا بادی ، تبصرہ اعجاز حسن خان + حضرت نصیرالدین محمود چراغ دہلی ـــ سید صباح الدین عبدالرحمٰن + بہار کے صوفیائے کرام ـــ سید شمیم احمد
+ دینور و مشائخ دینور ـــ حبیب الرحمٰن اعظمی + شیخ احمد سرہندی ـ محمد مسعود احمد
+ شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی ـــ معین الدین دردائی + شاہ محمد غوث گوالیاری ـ "
+ مولانا نور ترک دانش مند اور قرامطہ ـــ غلام مرتضیٰ خان
+ غزالی یا غزّالی ـــ قاضی احمد میاں اختر

۹ ۔ ملفوظات صوفیائے کرام ـــ مثلاً ملفوظات خواجگان چشت ـــ سید صباح الدین عبدالرحمٰن
+ کیمیائے سعادت ـــ ال پرشاد بلبل + مناقب الاصفیاء ـــ سید شمیم احمد
+ مناقب الاصفیاء از شمیم احمد پر تنقید ـــ یکے از خاک پائے بہار شریف
+ کشف الحقائق ـــ شیخ فرید جبل پوری + جواہر الاسرار میں کبیر کی بات چیت ـــ سید سلیمان ندوی
+ معین الارواح مصنفہ خادم حسن زبیری پر تبصرہ ـــ سید صباح الدین عبدالرحمٰن

۱۰ ۔ مکتوبات صوفیائے کرام ـــ مثلاً مکتوبات شیخ الاسلام مظفر شمس بلخی اور سلطان غیاث الدین بنگالہ
+ مکاتیب مرزا مظہر جانجاناں ـــ عبدالرزاق قریشی + استاذ العلوم سید نذیر حسین محدث دہلوی کا ایک خط بنام شاہ سلیمان پھلواروی ۔

---

۱۸ ستمبر ۱۹۷۷ کے شذرات معارف میں "تصوف پر مہمل اعتراضات" کو موضوع سخن بنایا ہے

۱۹ علی الترتیب :

معارف جلد ۷۷ شمارہ ۱ + معارف جلد ۸۰ شمارہ ۲ + معارف جلد ۵۸ شمارہ ۱
+ معارف جلد ۷۱ شمارہ ۲۵ + معارف جلد ۵۸ شمارہ ۴ + معارف جلد ۶۸ شمارہ ۵
+ معارف جلد ۵۹ شمارہ ۳ + معارف جلد ۵۸ شمارہ ۲

۶۔ تاریخ تاریخ اقوام وملل کے عروج و زوال کی کہانی ہے۔ ایک ایسا آئینہ ہے اور ایک ایسا سلولائڈ اسکرین ہے جس پر گزرے ہوئے اشخاص اور واقعات کو ہم متحرک تصویروں کی طرح نہ صرف یہ کہ آسانی سے دیکھ سکتے ہیں بلکہ اس کے محاسن و نقائص کا بھی بخوبی تجزیہ کر سکتے ہیں۔ دراصل یہ LINES OF TIME کو متعین کرنے والا فن ہے۔ 'آج' اور 'ابھی' جو چند لمحوں میں 'کل' اور 'تب' میں تبدیل ہو جاتا ہے اس کے حال احوال کون بیان کرے، کون اس دلچسپ اور سبق آموز کہانی کو دہرائے اور آنے والی قوموں کے سامنے پیش کرے۔ یہ تاریخ ہی تو ہے جو ہمارے MAKE UP کے دوران ہمیں آئینہ دکھاتی ہے، ہمارے خدوخال کے حسن و قبح کو نمایاں کرتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آئینہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اگر اختلاف کیا جا سکتا ہے تو آئینہ ساز کے ADJUST کئے ہوئے FOCAL LENGTH کی بابت جو کسی OBJECT (شے) کے IMAGE (عکس) کو پردے کے آگے یا پیچھے یا چھوٹا یا بڑا یا ٹیڑھا یا سیدھا متعین کرانے کی عبارت رکھتا ہے اور پھر آج کے ترقی یافتہ دور کے آئینوں (MIRRORS) اور محدب آئینوں (LENSES) میں FINE ADJUSTMENT SCREW ساتھ ساتھ لگا رہتا ہے جس سے اس کے انعکاس کے نقطۂ ارتکاز کو آسانی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہی حال احوال تاریخ کے معاملے میں بھی منطبق ہوتے ہیں۔ دراصل تاریخ کی غلطی نہیں ہوتی ہے بلکہ تاریخ سازوں کے نقطۂ نظر اور مطمع نظر کی۔ اس لئے کہ ہر ادارۂ فکر اپنے نقطۂ نظر کے حساب سے ان تاریخی حقائق کو پیش کرتا ہے۔

سائنس کا کلیہ ہے کہ مادہ (MATTER) اس کائنات سے فنا نہیں ہوتا بلکہ اپنی حالت اور ہیئت تبدیل کر لیتا ہے مثلاً ٹھوس (SOLID) سے رقیق (LIQUID) یا گیس (GAS) میں تبدیل ہو جاتا ہے یا ان تینوں میں سے کوئی بھی کسی داخلی یا خارجی محرک سے متاثر ہو کر اپنی حالت کو تبدیل کر لیتا ہے لیکن بہرحال وہ اس کائنات سے معدوم نہیں ہو جاتا بلکہ کسی نہ کسی حالت میں اس کا وجود ضرور برقرار رہتا ہے۔ آپ سوچ سکتے ہیں کہ جب ایک حقیر مادہ بلکہ حقیر مادہ کا ایک ذرہ بلکہ ذرہ کے بھی ایک نہایت حقیر اور قابل نظرانداز (NEGLIGIBLE) عنصر (ELEMENT) کو فنا نہیں کیا جا سکتا ہے تو پھر روح اور

روحانی محرکات کیونکر فنا ہو سکتے ہیں اور اپنی اثر پذیری سے کیونکر محروم ہو سکتے ہیں؟
سائنس دانوں نے روشنی (LIGHT)، آواز (SOUND)، مقناطیس (MAGNETISM)
بجلی (ELECTRICITY) اور حدت (HEAT) جیسی توانائیوں (ENERGIES)
کو اپنے قابو میں لاکر ایسی ایجادات پیش کردی ہیں جن سے ایک پل میں بٹن دبانے کے ساتھ نہ صرف
زمین کے دور دراز علاقوں کی آوازوں اور متحرک تصویروں کو سنا اور دیکھا جا سکتا ہے بلکہ
خلاؤں (SPACE) کے غیر متناہی فاصلوں (INFENITE DISTANCES) کے باوجود بڑی
آسانی سے بیک وقت بے شمار پردوں (SCREENS) اور آلات قبول (RECIEVERS)
پر اخذ (CATCH) کیا جا سکتا ہے۔ اب سائنس دان اس جستجو میں ہیں کہ روشنی اور آواز کی
وہ لہریں (WAVES) جو فضاؤں اور خلاؤں میں بہر صورت اپنے پورے وجود کے
ساتھ قائم و ثابت ہیں اور جن کا تعلق ہمارے آبا و اجداد کی زندگیوں سے ہے یعنی ان کے
قول و عمل کے ساتھ یعنی ماضی کے احوال و واقعات کی چلتی پھرتی کہانیوں کے ساتھ جو عہد ماضی
میں رزم اور بزم دونوں ہی سے تعلق رکھتی ہیں اور خاص طور پر جن کا تعلق اولوالعزم ہستیوں
سلاطین، انبیائے کرام، مصلحین قوم وغیرہ کے ساتھ رہا ہے یعنی ہمارے نامور اسلاف کی مبارک و مقدس
آوازیں اور ان کی زندگی کا ہر متحرک پہلو جو انھوں نے عہد ماضی میں اس دنیا میں گزارا تھا ـــ
سائنس دان عہد سابق میں گزری ہوئی آوازوں اور تصویروں کو CATCH کرنے میں کسی قدر تک
کامیاب ہو چکے ہیں لیکن ان ریڈیائی لہروں (RADIO ACTIVE WAVES) پر ADJUST
نہیں کر پا رہے ہیں جس کی وجہ سے ایک ایسی خلط ملط صورت حال ہے جس سے استفادے
کی واضح صورت نہیں ابھر پا رہی ہے اور جس کو منظر عام پر ریڈیو اور T.V پروگراموں کی
مانند پیش کرنے سے سائنس دان ابھی تک قاصر ہیں لیکن ان کی کوشش جاری ہیں اور
تحقیق کے آگے کے مراحل کے نتائج کی امید پر مستقبل قریب میں اس بات کے امکانات روشن ہیں
کہ ہم گزرے ہوئے واقعات سے متعلق آوازوں اور تصویروں کو بالکل اسی طرح دیکھ سن سکیں گے جیسا کہ موجودہ
زمانے میں BROADCAST اور TELECAST کئے ہوئے پروگراموں کو آسانی سے دیکھ سن لیتے ہیں
گویا تاریخ ELECTRNISE اور COMPUTERISE آلات کے پردوں پر پڑھائی جائے گی
کتابوں اور کاپیوں کے اوراق پر نہیں اور زیادہ صحیح اور غیر متنازع انداز میں تاریخی حقائق کو

اخذ کرنے کے انتظامات بحال ہو سکیں گے ۔ اس طرح بہت سی تاریخی غلطیوں اور خامیوں کی اصلاح بھی ممکن ہوگی ۔ پھر تاریخ کا یہ خشک اور اکتا دینے والا مضمون بھی اتنا دلچسپ اور پسندیدہ ہو جائے گا کہ قلب و نظر کی تسکین کے جملہ لوازم سے آراستہ ہوگا۔ جاذب نظر اور قابل قبول ہوگا ، کسی فرقہ یا تحریک کی دست برد سے آزاد اور بے نیاز ہوگا ۔ ابھی تو بہت سے کائناتی راز ہیں جو انسانی تاریخ کے جفا کشوں اور محنت کشوں کے قبضۂ قدرت میں آنے والے ہیں جن پر اہل بصیرت کی نگاہ ہے اور بہت سے ایسے حقائق آشکار ہونے والے ہیں جن پر ابھی کوتاہ بینوں کی نظر بھی نہیں پڑ سکی ہے اور وہ بلا وجہ کی لڑائی بھڑائی میں اپنی صلاحیتوں کو برباد کر رہے ہیں ۔ لیکن کچھ محنتی افراد اور قومیں اپنی تجربہ گاہوں اور رسدگاہوں میں اپنے ٹیبل اور ڈسک سے چپکے ہوئے اپنے کاموں میں سنجیدگی کے ساتھ مشغول و منہمک ہیں اور ظاہر ہے کہ قرآن حکیم کی رُو سے یہ قدرت کا اٹل فیصلہ ہے کہ وہ کسی حسن عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتی ۔ جب ظاہری اور مادی کوششوں پر بے نظیر معاوضہ اور صلہ مل سکتا ہے تو حقیقی اور ابدی مقاصد کے حصول کے لئے کوشش اور محنت کرنے والوں کو کیا کچھ نہیں مل سکتا ہے اور کیا ہمارے اولوالعزم اسلاف کو نہیں ملا ہے ۔ بہرحال ہمیں یہ حقیقت کبھی نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی تاریخ درسگاہوں میں ایک مضمون کی حیثیت سے صرف اس لئے پڑھائی جاتی ہے کہ ہم اندازہ کر سکیں کہ ہمارے اسلاف نے کیا کارنامے انجام دئے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم کسی ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں جو ہمارے اسلاف سے سرزد ہوئے ہیں ۔ اگر ہم نے بھی انھیں غلطیوں کا اعادہ کیا جن سے ہمارے اسلاف کو دوچار ہونا پڑا اور ان مقاصد جلیلہ کو بالائے طاق رکھ دیا جن کو ہمارے اسلاف نے نصب العین بنایا تھا تو پھر تاریخ پڑھنا یا پڑھانا بالکل بے کار اور بے معنی ہو جائے گا ۔ "پدرم سلطان بود" ایک نااہل کے لئے طعنہ بن سکتا ہے مگر اہل اور باصلاحیت افراد کے لئے طاقت ور اور حوصلہ افزا محرک ہے ۔ اس لئے کہ بہرحال وہ یہ جاننا چاہیں گے کہ ہمارے اسلاف کون تھے اور کیا پیغام چھوڑ گئے ، انھوں نے زندگی کے کن خانوں (GAPES) کو بھرا اور کن خانوں اور کالموں کو بھرنے کے لئے ہمارے لئے چھوڑا ہے ۔ اگر ہم نے ان کے ادھورے کام کی تکمیل نہیں کی تو گویا تاریخ کا حق ادا نہیں کیا ۔ کل کا مورخ تاریخ کے ان ہی اوراق میں ہماری نالائقیوں اور نااہلیوں پر جلی حروف میں تبصرہ کرے گا ۔ ضرورت ہے کہ ہم تاریخی

حقائق کا ایماندارانہ تجزیہ کریں اور تاریخ سے زیادہ سے زیادہ سیکھیں اور درس عبرت حاصل کرنے کی کوشش کریں ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں سب سے پہلے خود اپنے آپ کا تجزیہ (ANALYSIS) کرنا ہوگا، اپنی طاقتوں اور خامیوں کو سوچنا اور سمجھنا ہوگا، اپنے آپ میں ڈوبنا ہوگا، اپنے آپ کو دیکھنا سمجھنا جانچنا اور پرکھنا ہوگا ۔ کیا یہ تعجب کی بات نہیں کہ ہمارے وجود کا ہر خفیف ترین ذرہ (MINUTE PARTICLE) اس کائنات میں محفوظ ہے ۔ جب یہ خفیف ترین ذرہ عالم ظاہر و عالم مادیت میں اس قدر اور اتنا مکمل طور پر محفوظ رہ سکتا ہے تو کل میدان حشر میں انسان کے روبرو اس کے اعمال پورے تام و کمال کے ساتھ دکھا دیئے پر کیا وہ صانع حقیقی قادر نہیں ؟ کیا ہمارے اندر تلاش و جستجو کی وہ اسپرٹ اور STAMINA نہیں پیدا ہو سکتا جو ایک ماہر تاریخ و ماہر آثار قدیمہ کو سیکڑوں اور ہزاروں برس پرانے آثار کے مشاہدے اور معائنے کے وقت حاصل ہوتا ہے یا ماہرین طبقات الارض کو لاکھوں برس پرانے FOSSILS کی دستیابی اور جانچ پرکھ کے وقت شعوری و لاشعوری طور پر نصیب ہوتا ہے ۔

گو یہ تمہید کچھ بے ضرورت سی محسوس ہوتی ہے لیکن یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ علم و فن تاریخ سے جس قدر اعتناء مسلمانوں نے کیا اور اس علم کو ایک باضابطہ فن کی شکل دی اس کی مثال تاریخ انسانی کے معلوم و معروف عہد میں کہیں نہیں ملتی ۔ دارالمصنفین اور معارف نے علوم اسلامیہ کی ترویج و احیاء میں جو اہم کردار ادا کیا ظاہر ہے اس میں تاریخ کا حصہ اس کی اہمیت کے مطابق ہی ہے ۔ دارالمصنفین کے بانی اور پھر اس کے تمام رفقاء و اراکین جن میں معارف کے فاضل مقالہ نگار حضرات بھی شامل ہیں ان سب کا مابہ الامتیاز جوہر اگر تاریخ نویسی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا ۔ سیر سوانح اور تذکرہ یہ سارے موضوعات تاریخ کے ذیل میں ہی آتے ہیں لیکن اگر خالص اصطلاحی علم تاریخ کی روشنی میں بھی دیکھا جائے تو معارف کے صفحات بلا مبالغہ برصغیر کے کسی دوسرے علمی و تحقیقی مجلہ کی نسبت زیادہ وقیع، زیادہ بلند پایہ اور زیادہ مستند نظر آتے ہیں ۔ ذیل میں ہم نے مختلف عنوانات کے تحت بعض مضامین کا احاطہ کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس فن میں معارف کا حصہ کمیت و کیفیت دونوں اعتبار سے کتنا بلند ہے

تاریخ اسلام سیرت النبی سے متعلق :

مثلاً اوصاف نبوت اور قرآن مجید (وصف شاہد و مشہود) — عبدالسلام ندوی
+ معجزات نبوی — سید محمد طٰہٰ اشرف قادری + اجتہادات نبوی — ״
+ منصب نبوی — سید سلیمان ندوی + نسب نامہ نبوی — حمید الدین فراہی
+ نامۂ نبوی — ڈاکٹر حمید اللہ + غزوات نبوی — سید نواب علی
+ دعوت نبوی (اصول و مقاصد کتاب اللہ اور واقعات کی روشنی میں) — سید سلیمان ندوی
+ وحی + توکل + معراج — سید سلیمان ندوی + معاملات — منیر الدین
+ سیرت نبوی پر ایک نظر + محمد بن عمر الواقدی بحیثیت سیرت نگار — سید سلیمان ندوی

تاریخ اسلام عام :

مثلاً تاریخ اسلام مصنفہ اکبر شاہ خاں پر تبصرہ — ابو الجلال ندوی
+ اصول تاریخ بینی — نواب امین جنگ ترجمہ ہاشمی فرید آبادی + علم التاریخ — سید محمد محسن
+ تاریخ خطیب بغدادی — مدد یار جنگ + عربوں کی تہذیب — ایچ جی ویلز
ترجمہ ریاض الحق + عربوں کا تمدن — جوزف ہیل ترجمہ نذیر نیازی پر تنقید
+ عرب ایک مستشرق کی نظر میں — موسیو سیدیو + مشہد مقدس طوس
جہاں امام رضا کا مزار ہے — شاہ معین الدین ندوی + ایران — محمد سعید انصاری
+ مشہد خراسان — ابو الحسنات ندوی + بغداد — شاہ معین الدین ندوی

تاریخ اسلام مسئلہ خلافت سے متعلق :

مثلاً مسئلہ خلافت — ابو الحسنات ندوی + مسئلہ خلافت اور اتحاد سلاطین اسلامیہ — عبدالسلام ندوی
+ مسئلہ خلافت اور عالم عرب — عربی اخبارات سے تلخیص + مسئلہ خلافت اور دنیائے اسلام — سید سلیمان ندوی

تاریخ ہندوستان عام :

مثلاً عہد اسلامی میں ہندوستان کی جہاز رانی + عرب میں آباد ہندوستانیوں کو دعوت اسلام

+ پیغمبر اسلام اور ہندوستان کے باشندے + عرب و ہند کے قدیم تجارتی تعلقات

+ ہندوستانی مسلمانوں کا فن تعمیر — پروفیسر محمد مجیب + تاریخ اسلام کا مطالعہ ہندوستان میں

+ ہندوستان میں مسلمانوں کے تمدنی اثرات + ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کی ایک جھلک

+ ملا عبدالقادر بدایونی اور ان کی منتخب التواریخ — قاضی محمد ابراہیم

+ نورجہاں + شاہ فتح اللہ شیرازی : اکبری دور کا ایک موجد

+ خاندان تغلق — سعید الفاری + جہانگیر کا علمی ذوق — سید صباح الدین عبدالرحمن

+ آخری سلاطین مغلیہ کا علمی ذوق + بہادر شاہ ظفر + عالمگیر

+ شاہجہاں + ہمایوں + اکبر — سید صباح الدین عبدالرحمن

+ اورنگ زیب : نظام مملکت + اورنگ زیب : مندروں کا انہدام

+ شیرشاہ : سیکولر حکومت + ٹیپو سلطان

تاریخ قدیم :

مثلاً توریت اور شریعت حمورابی — سعید الفاری

+ مکہ مبارکہ — ابوالجلال ندوی + عرب قدیم

---

۲ ENERGIES — A MIRACLE ہرچرن چاولا ماہنامہ SCIENCE ستمبر ۹۵

۷۔ **فلسفہ و کلام و منطق** علم کلام اس فن کا نام ہے جس میں مخالفین مذہب کے اعتراضات اور شکوک و شبہات کا جواب دیا جائے اور عقائد حقہ کو عقلی و نقلی دلائل سے ثابت کیا جائے جبکہ فلسفہ کو استدلال کی قوت عطا کرنا منطق کا کام ہے۔ منطق (LOGIC) کو موجودہ دور میں فن ادب (ARTS) کے محض ایک مضمون کی حیثیت حاصل ہے لیکن آج سے پچاس سال پہلے تک یہ فلسفہ (PHILOSOPHY) کا ایک معاون مضمون سمجھا جاتا تھا اور اس کی اپنی مخصوص اہمیت تھی لیکن سائنسی علوم کی طوفانی ہواؤں نے دیگر علوم سابقہ کی طرح اس کی شمع حیات کو بھی گل کر دیا۔ کبھی کبھی اس خاکستر سے دو چار چنگاریاں اڑتی ہوئی نظر آجاتی ہیں۔ منطق دراصل یونانیوں کا مخصوص علم تھا یونان کی سرزمین سے ابھرا اور اسی کی گود میں پرورش پائی لیکن زمانۂ شباب کا اوج و عروج مسلمانوں کی بدولت نصیب ہوا۔ ارسطو کے بعد سرزمین یونان کی آب وہوا اس کو راس نہ آسکی۔ خلافت عباسیہ تک کامل گیارہ صدیاں گزر گئیں لیکن اس عرصہ میں چند اشخاص ہی ایسے پیدا ہوئے جن کو ماہر فن کہا جا سکتا ہے اور وہ بھی موجد و مؤسس نہیں بلکہ شارح اور مقلد تھے۔ [۲۱] آغوش اسلام میں آتے ہی اس نے از سرنو زندگی پائی۔ سیکڑوں کتابیں تصنیف ہوئیں، مختلف مسائل اضافہ ہوئے، متعدد مباحث کی تردید ہوئی اور بہت سی باتیں ایجاد کی گئیں، غرض اس پیمانہ پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا کہ چند صدیوں میں منطق کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا۔ اس مقام پر یہ امر بھی لحاظ کے قابل ہے کہ مسلمانوں کے پاس ارسطو کی کل کتابیں نہ تھیں بلکہ قیصر روم نے بوسیدہ اور ناکارہ کتابوں کا ڈھیر شاہی کتب خانہ سے نکلوا کر بھجوا دیا تھا۔ یورپ کہتا ہے کہ مسلمان ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ قلی نہیں بلکہ گاڑی نشین تھے۔ ارسطو کی تصنیفات کا زندہ کرنا، اس کے نام کو حیات ابدی بخشنا، اس کے مسائل کی ترویج و اشاعت کرنا قلی گری نہیں بلکہ مسیحائی ہے۔ مسلمانوں کی یہ عنایت نہ ہوتی تو آج ارسطو کو کون جانتا؟ یورپ حکمت و فلسفہ کے نشہ میں آج مسلمانوں پر طعنہ زن ہے لیکن شاید اس کو وہ زمانہ یاد نہیں جب کہ دنیائے عیسائیت فلسفہ و منطق کا حاصل کرنا حرام مفصوص سمجھتی تھی اور معقولات سے آشنا ہونا کفر کا ہم پلہ شمار ہوتا تھا۔ [۲۲]

اس کے علاوہ مسلمانوں نے ارسطو کی کورانہ تقلید کبھی نہیں کی ۔ فارابی اور ابن سینا جو خود ارسطو کے ہم پلہ تھے کیا جا و بیجا اس کی تقلید کر سکتے تھے ؟ ان اکابر کے علاوہ بہت سے اہل علم ارسطو کے علانیہ مخالف تھے ۔ چنانچہ محمد ابن زکریا رازی بھی انھیں لوگوں میں تھا جس کی نسبت ابن صاعد اندلسی نے لکھا ہے کہ وہ ارسطو سے سخت منحرف تھا ۔ [23] تیسری صدی ہجری میں سب سے پہلے خلفائے بنی امیہ ان علوم کی طرف متوجہ ہوئے مگر بہت جلد ان کی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو گیا ۔ البتہ اسپین کے خلفائے بنی امیہ ان علوم و فنون کے فروغ کے لئے کوششیں کرتے رہے ۔ خلفائے بنی عباس میں سب سے پہلے ساتویں خلیفہ مامون الرشید نے توجہ کی ۔ اس نے شاہانہ اخراجات پر علماء و فضلاء سے یونانی کتابوں کے تراجم کرائے لیکن چونکہ ان علماء و فضلاء کو یونانی زبان اور علوم و فنون کی مخصوص اصطلاحات پر کامل عبور حاصل نہیں تھا اس لئے جو تراجم ہوئے ناقص اور باہم سخت مخالف تھے ۔

چوتھی صدی ہجری میں منصور بن نوح سامانی کی درخواست پر ابو نصر فارابی نے جو ان علوم میں مہارت رکھتا تھا علم منطق کے ترجمہ و ترتیب کے کام میں خصوصی رول ادا کیا ۔ اس نے اس علم کی تشریح و توضیح پر خاص توجہ کی ۔ زبان نہایت شستہ و صاف پائی تھی ۔ طرز تعبیر میں اس سے بہتر ایک شخص بھی نہ تھا ۔ اس لئے اس نے ارسطو کی کتابوں کی نہایت مفصل اور بسیط شرحیں لکھیں جو اس فن کی سب سے بہتر کتابیں ثابت ہوئیں لیکن ان کتابوں کی نشر و اشاعت کی نوبت نہ آسکی ۔ ابو نصر فارابی تصنیف و تالیف کا مرد میدان تھا لیکن نشر و اشاعت کی ہمت نہایت کوتاہ تھی ۔ وہ سیر و سیاحت کا عادی تھا اور ہمیشہ شہر بہ شہر پھرا کرتا تھا ۔ اس بنا پر اس کے یہ جواہر پارے سلطان مسعود کے زمانہ تک اصفہان کے دار الکتب 'صوان الحکمۃ' کی زیب و زینت بنے رہے ۔ سلطان مسعود نے شیخ الرئیس ابن سینا کو اپنا وزیر بنایا تھا ۔ اس نے اس کتب خانہ سے ابو نصر کی کتابیں برآمد کیں اور تمام تصنیفات ان سے اقتباس کر کے لکھیں ۔ اتفاق سے اسی زمانہ میں یہ کتب خانہ آگ کی نذر ہو گیا ۔ اب ان تمام علوم کا ابن سینا بلا شرکت غیرے محافظ و مالک تھا ۔ اس نے اس فن پر نہایت وقیع اور قابل قدر کتابیں اور رسالے لکھے جن میں 'منطق المشرقین' بہت مشہور ہے ۔ ابن سینا کے بعد ابن رشد نے اس فن کو ترقی دی ۔ اس کے بعد متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جنھوں نے اس فن کو نئے سرے سے اور نئے انداز میں

ترتیب دیا اور ایک مستقل علم کی حیثیت سے اس کو تسلیم کرادیا۔ سب سے پہلے منطق کو مستقل فن جس شخص نے بنایا وہ امام فخرالدین رازی ہیں۔ ان کے بعد جو صاحبان فن منطق کی بساط پر آئے ان میں شیخ الاشراق ابوالفتوح شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے جن کی شرح 'حکمۃ الاشراق' مشہور ہے۔ ان کے بعد خواجہ نصیرالدین طوسی اور قطب الدین رازی کے نام آتے ہیں۔ آٹھویں صدی ہجری میں علامہ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے منطق کی نہایت نمایاں خدمت انجام دی اور ایک ضخیم کتاب 'ردّ منطق' کے نام سے لکھی جس میں بہت سے مسائل منطقیہ کی تردید و تصحیح کی۔ [۲۴]

کلام و فلسفہ و منطق اصل و حیثیت کے اعتبار سے مطلق علوم اسلامیہ میں شامل نہیں کئے جا سکتے لیکن عہد اسلامی نے ابتداء ہی ان علوم سے جس خاص انداز میں اعتناء کیا اس سے یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ یہ یونانی الاصل علوم جو مردہ و پامال ہو چکے تھے اسلام کے عہد علم کی بدولت زندہ و شاداب ہوگئے اور یہ کہنا بھی مبالغہ نہ ہوگا کہ یہ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ معارف کے صفحات میں جب ہم نے اس فن شریف کے مضامین کا احاطہ کیا تو حیرت ہوئی کہ اس کے صفحات اس دولت سے بھی پوری طرح مالا مال ہیں اور ان کی حیثیت و اہمیت دوسرے بنیادی علوم اسلامیہ سے کم نہیں ظاہر ہوتی جیسا کہ ذیل میں ہماری فہرست کی ایک جھلک سے یہ حقیقت عیاں ہے لیکن یہ حیرت و استعجاب اس وقت دور ہو جاتا ہے جب معارف کے مقاصد پیش نظر ہوں۔ ظاہر ہے بیسویں صدی کا یہ دور علوم عقلیہ کی حکمرانی کا دور کہا جاتا ہے، معارف نے عقائد کے استحکام کے ساتھ عقل و خرد کی سیرابی کے اہتمام کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اس نے موجودہ دور کے عقلی مسائل پر توجہ مرکوز کی اور فلسفہ و کلام و منطق کے ذریعے اس نے حق کے اثبات کی پیہم کوشش جاری رکھی۔

معارف کے شماروں کو دیکھنے سے فلسفہ و کلام و منطق کے مختلف النوع مضامین اور موضوعات سے متعلق جو نگارشات ملتی ہیں ان کے جائزہ کے طور پر موضوعات کی نشاندہی شماروں کے ساتھ حسب ذیل ہے:

۱۔ علم انسانی کی حقیقت مثلاً ہمارے علم کی حقیقت ۔ سید عبدالباری + حقیقت علم ۔ محمد یونس فرنگی محل

۲۔ فلسفہ پر عمومی نظر مثلاً دنیائے فلسفہ (فلسفۂ حال و ماضی) + افادیت اور خارجیت، علم بیت اور تصوریت

+ دنیائے فلسفہ (اہم رجحانات، اشخاص، ایجادات) + علم کلام کا آغاز ۔ شبیر احمد خان غوری

+ فلسفہ کا حاصل ۔ عبدالباری + فلسفۂ طبعی کے حیرت انگیز انکشافات ۔ سعید الفاری

+ مبادی فلسفۂ اخلاق + فلسفۂ اجتماع ۔ عبدالماجد دریابادی تبصرہ محمد حفظ الرحمن

+ فلسفۂ تمدن ۔ عبدالباسط محمد ایوبی

۳۔ منطق پر عمومی نظر مثلاً فن منطق کی مختصر تاریخ ۔ سعید الفاری + استدلال ۔ سعید الفاری

۴۔ وجود باری تعالیٰ کی حقیقت مثلاً وجود باری تعالیٰ ۔ مارلین تلخیص خواجہ اطہر فاروقی

+ ہستی باری تعالیٰ پر ایک اجمالی نظر ۔ محمد یوسف سلیم خان

+ خدا تعالیٰ کی ہستی پر نظام عالم سے استدلال ۔ محمد یوسف سلیم بریلوی

+ جمالیاتی ارتقا اور برہان ربوبیت ۔ ابو المنظر رضوی

۵۔ روح کی حقیقت مثلاً روح کی حقیقت ۔ فیروز الدین مراد

+ وجود روح روحانیین کے نقطۂ نگاہ سے ۔ اصغر الفاری

۶۔ حقائق حیات مثلاً حیات پر ایک نظر ۔ عبدالباقی + بقائے انسان کے خلاف دو مفروضوں کا جواب ۔ خواجہ عبدالحمید

۷۔ نظریہ ارتقا مثلاً ارتقائے انسان کا ایک نیا زاویہ نگاہ ۔ خواجہ عبدالرشید

+ مسئلہ ارتقا اور حکمائے اسلام ۔ عبدالماجد دریابادی

۸۔ نظریہ اضافت مثلاً نظریہ اضافت ۔ سر شاہ سلیمان + نظریہ اضافت ۔ دکاج الدین تبصرہ ابو الکلام ندوی

۹۔ تخلیق کائنات مثلاً داستان آفرینش ۔ سید نواب علی + خیابان آفرینش ۔ ابو القاسم سرور

۱۰۔ مذہب کی عقلی توجیہ مثلاً مذہب اور عقلیات ۔ عبدالباری ندوی + مذہب اور عقلیات ۔ عبدالسلام ندوی

+ عقلیت پرستی پر ایک نظر ۔ منظر الدین صدیقی + تشکیک مذہب کی تائید ہوتی ہے یا مخالفت ۔ عبدالماجد دریابادی

۱۱۔ ماہیتِ مادہ مثلاً مادیت — حبیب اللہ رشدی + مادیت مادہ — عبدالباری ندوی + حقائقِ اشیاء — محمد اویس ندوی + مادہ کی ماہیت کی نسبت سائنس کا تازہ ترین تصور + روح مادہ اور ایتھر

۱۲۔ فلاسفۂ یونان مثلاً افلاطون — خواجہ عبدالحمید + یونانی تمدن — سعید انصاری + یونانی فلسفہ کے تاریخی ماخذ — عبدالسلام ندوی

۱۳۔ فلاسفۂ یورپ مثلاً روسو کے ایک رسالہ کا ترجمہ مقدمہ ظفر حسین خان + مکالماتِ برکلے — عبدالماجد دریابادی + جان لاک کا فلسفہ — سید منظور احمد + فلسفہ لیبان — عبدالسلام ندوی + لیبان کے نظریہ مزاج عقلی پر ایک نظر + کانٹ کی سوانح حیات اور فلسفہ کی اہمیت — یوسف سلیم + نٹشے اور تمدنیات — ابوظفر ندوی + نٹشے — الف ایں شیلر ترجمہ متقصود الرحمٰن + نٹشے، علمائے اسلام اور فلسفۂ اخلاق — ابوظفر ندوی + نٹشے اور مسیحیت + نٹشے کا فلسفہ اخلاق — سید مظفر الدین ندوی + ہربرٹ اسپنسر + برٹرینڈ رسل کا فلسفہ اس کی تصنیفات کی روشنی میں — ای سی ایم جوڈ ترجمہ وقار عظیم + فلسفہ جدیدہ کا نقطۂ آغاز — عبدالباری + شوپنہار اور اس کا فلسفہ — صفدر علی

۱۴۔ فلسفۂ ہندوستان مثلاً ہندی فلسفہ — بشیر احمد ڈار + فلسفہ ہند اور حیاتِ ابدی + یونان اور ہندوستان — سید افضل حسین

۱۵۔ اسلامی فلسفہ اور مسلمان فلاسفہ مثلاً اسلامی ہند کے عہدِ اول میں علومِ عقلیہ کا رواج — شبیر احمد غوری + ابن تیمیہ اور مسئلہ کلیات — مرزا محمد یوسف + البیرونی کی یادگار جلد پر ایک نظر — شبیر احمد غوری + ابن باجہ اور اس کا فلسفہ — یونس فرنگی محل + ابن باجہ الاندلسی — میر حسن معصومی + ابن طفیل اور اس کا فلسفہ — یوسف فرنگی محل + الکندی اور اس کا فلسفہ — ابوالنصر سید احمد + ابوالبرکات اور اس کی کتاب المعتبر — سید سلیمان ندوی + امام غزالی کا فلسفۂ اخلاق — عبدالسلام ندوی + امام غزالی اور حکمائے یورپ — ریاست علی ندوی + اسلامی فلسفہ اور دینیات کا اثر یورپی فلسفہ اور دینیات پر — الفریڈ گلیوم ترجمہ مبارز الدین رفعت + اسلام میں علم و حکمت کا آغاز — شبیر احمد غوری + اسلامی فلسفہ قرونِ وسطیٰ کے اندلس میں — لالا برج ترجمہ قاضی احمد میاں اختر + معتزلہ کی ایک قدیم تصنیف الانتصار للخیاط — ترجمہ عنایت اللہ + فارابی — میر ولی الدین + فارابی کی منطق — شبیر احمد غوری + شیخ بوعلی سینا کی عبقریت — شبیر احمد غوری + امام رازی اور تنقیدِ فلسفہ — عبدالسلام ندوی + ابن رشد کی تصنیفات — علامہ شبلی + ابن رشد کی تصنیفات — عماد الملک + اشتراکی مابعد الطبیعاتی افکار اسلام کی روشنی میں — مظفر الدین صدیقی

---

۲۱ طبقات الامم ابن سعد ص ۴۱ ۲۲ اخبار الحکماء ص ۲۳
۲۳ الشفاء ص ۹۶ ۲۴ دیباچہ الکلام — سید سلیمان ندوی
نوٹ: ۲۱ + ۲۲ + ۲۳ از دیباچہ "ابن سینا" — ڈاکٹر سرور سلمانی

۸۔ تعلیمات انسان کے قوائے فطریہ کی نشوونما اور قوم کی ترقی کا تمام تر دارومدار تعلیم و تربیت پر ہے۔ اس لیے تمام متمدن قوموں نے طریقۂ تعلیم و تربیت کی طرف خاص طور پر توجہ کی ہے اور اس کے آئین و اصول مقرر کیے ہیں۔ قدیم زمانہ میں یونانیوں نے اس کو ایک مستقل فن بنا دیا تھا جس کا اصطلاحی نام پیڈاگوجی تھا۔ مسلمانوں نے اپنے دورِ عروج میں اس فن کے ساتھ خاص طور پر اعتنا کیا اور امام ابو حنیفہ، قاضی ابن عبدالبر، ابو محمد بن ابی زید، علامہ سیوطی، شیخ عبد اللطیف بن عبدالرحمٰن المقدسی نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں۔ ان بزرگوں کے علاوہ امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس موضوع کے لیے ایک خاص باب باندھا اور علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اس پر تفصیلی بحث کی۔ مسلمانوں نے فن تعلیم و تربیت کے جو اصول و قواعد مقرر کیے تھے ان کی تفصیل ایک مستقل مضمون کی محتاج ہے، تاہم علامہ ابن خلدون نے اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس میں چند آسان اصول لکھے جاتے ہیں[26]:

- نصابِ تعلیم میں ایک فن کی متعدد کتابیں اور ان کے متعدد حواشی و شروح کا داخل کرنا طلباء کے لیے مضر اور غیر مفید ہے۔
- اس کے برعکس نہایت مختصر اور مغلق کتابیں بھی تعلیم کے لیے مضر ہیں۔
- طلباء کے لیے بہترین طریقۂ تعلیم یہ ہے کہ اس میں ان کی عقل و استعداد کے موافق بتدریج ترقی کی جائے۔ پہلے سادہ طور پر اجمالاً ہر فن کے مسائل بتائے جائیں۔ اس طرح طالب علم میں نفسِ فن کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے تو تفصیل کے ساتھ ہر مسئلہ کو سمجھایا جائے اور اختلافات وغیرہ کی بھی تشریح کی جائے۔ بالآخر جب نفسِ فن پر عبور حاصل ہو جائے تو دقیق اور اہم مسائل کی تعلیم دی جائے۔
- تعلیم میں جبر و استبداد سے ہرگز کام نہ لینا چاہیے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ طالب علم کے نشاط و انبساطِ فطری کو بالکل برباد کر دیتی ہے۔ اس کو کسل مندی، بدباطنی اور خداع و فریب کی طرف مائل کرتی ہے، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بد اخلاقیاں طالب علم کی فطرت بن جاتی ہیں۔ ہارون رشید نے جب اپنے امین کو استاد کی امانت میں دیا تو خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ اس کو تکلیف دے کر کوئی بات نہ سکھاؤ کہ اس کا ذہن مردہ ہو جائے۔ جہاں تک ہو سکے لطف و مراعات کے ساتھ اس کی تادیب کرو، البتہ اگر اس طریقے سے کام نہ نکلے تو سختی سے پیش آؤ۔[27]
- کمالاتِ علمیہ کے حاصل کرنے کے لیے سفر لازمی چیز ہے اور اس سے ملکۂ علمیہ نہایت راسخ اور مستحکم ہو جاتا ہے۔[28]

---

[25] تا [27] ابن خلدون ـــ ضیاء مشہدی ص ۲۵–۳۲

یہ ایک عجیب بات ہے کہ انسان ہمیشہ صحیح راستہ اس وقت پاتا ہے جب تمام دنیا گمراہی میں بھٹکتی پھرتی ہے۔ انسان ادب اس وقت سیکھتا ہے جب تمام لوگ بے ادب ہو جاتے ہیں۔ شیخ سعدی نے ایک حکیم کی زبان سے یہی نکتہ دنیا کو سمجھایا ہے کہ "ادب از کہ آموختی گفت از بے ادبان"۔ [28] انسان نے سیاست، تمدن اور اخلاق کے اصول اس وقت قائم کئے ہیں جب عملاً ان تمام چیزوں کا نظام خراب ہو چکا تھا۔ ابن خلدون نے جس زمانہ میں تعلیم و تربیت کے یہ اصول قائم کئے ہیں اس کی نسبت بھی ان کو شکایت ہے کہ اس زمانہ میں بالکل ان اصولوں کے برعکس عمل کیا جاتا ہے۔ [29] لیکن اگر ابن خلدون کو اپنے زمانہ کے نظام تعلیم کی شکایت تھی تو کیا ہم کو صرف شکایت ہی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ نہیں، بلکہ تمام مدرسوں اور دانش گاہوں میں ایک حلقۂ ماتم قائم کرنا چاہئے۔

یورپ میں فن تعلیم و تربیت کو جن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کے متعلق جو مختلف نظریات قائم ہوئے ہیں اس نے جو بتدریج ترقیاں کی ہیں اور موجودہ زمانہ میں اس کی جو حالت ہے اس کی تاریخ نہایت دلچسپ ہے۔ [30] قرون وسطیٰ میں یورپ کا نظام تعلیم و تربیت تمام تر پادریوں کے ہاتھوں میں تھا۔ ان مربیوں نے طالب علموں کی تمام شخصی خصوصیات فنا کر دی تھیں اور ان کے ارادہ و اختیار کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ چند موروثی اور قدیم معتقدات تھے جن کی تعلیم دی جاتی تھی اور ان کو تقلیداً طالب علم سے منوایا جاتا تھا۔ طالب علم بذات خود کوئی حیثیت نہ رکھتا تھا۔ جو کچھ دیکھتا تھا پادریوں کی آنکھوں سے دیکھتا تھا اور جو کچھ سنتا تھا انھیں کے کانوں سے سنتا تھا۔ آج یورپ کے قدیم جمود و تعصب کی جو شکایت کی جاتی ہے وہ اسی طریقۂ تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی۔ یورپ میں یہ نظام تعلیم پندرہویں صدی تک قائم رہا لیکن پندرہویں صدی کے بعد ایک عظیم الشان انقلاب یورپ میں پیدا ہوا اور جو قدم جہالت کی تاریکی میں پیچھے پڑتے تھے اب آگے بڑھنے لگے۔ اس کے قدرتی طور پر تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ نظام تعلیم و تربیت میں بھی ترقی ہوئی اور ماہرین نے فن تعلیم و تربیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی اور اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں۔

---

[28] ماخوذ از 'بوستان سعدی' — ڈاکٹر شاہد انجم

[29] ابن خلدون — ضیاء مشہدی

[30] مقالہ 'یورپ قرون وسطیٰ میں' — امیر حمزہ از رسالہ ماہ نو کراچی جنوری ۱۹۵۴ء

لیکن یہ شخصی سلطنت کا زمانہ تھا، اس لئے یہ فن بھی بالکل اسی قالب میں ڈھل گیا اور جو کچھ لکھا گیا وہ صرف شاہی خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے ساتھ مخصوص تھا ۔ اس کے بعد "روسو" نے فن تربیت اطفال پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اس نے شاہی خاندان کی خصوصیت کو نظر انداز کر دیا اور عام طور پر بچوں کی تعلیم و تربیت سے بحث کی ۔ روسو نے اصول تربیت کے متعلق جو نظریہ قائم کیا اس کا خلاصہ دو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے یعنی یہ کہ بچوں کو بالکل اصول فطرت کے مطابق تعلیم و تربیت دینی چاہئے اور ان کے ساتھ عقلاء کی طرح برتاؤ کرنا چاہئے ۔

انیسویں صدی میں ماہرین فن نے بچوں کی تعلیم و تربیت پر مزید کتابیں لکھیں اور اس زمانہ سے یہ ذوق اس قدر عام ہو گیا کہ تمام اطباء نے اپنی کتابوں میں اس موضوع کے لئے مستقل ابواب و فصول قائم کئے اور تربیت اطفال پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ۔ اب حکماء اور اطباء نے مشترکہ طور پر مختلف نظریات قائم کئے مثلاً یہ کہ بچے کا دماغ ہر صورت ذہنیہ کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اس لئے جو صورت اس کے سامنے آجاتی ہے اس کو قبول کر لیتا ہے لیکن چونکہ اس کو سب سے پہلے اپنی ضروریات کا احساس ہوتا ہے جس کا مہیا کرنا اس کی ماں کا فرض ہے اس لئے اس کی پہلی مربی اس کی ماں ہے ۔ ابتداء میں بچے کو برا بھلا اور عقلمند بیوقوف کچھ نہیں کہا جا سکتا ۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بچہ موم کا ایک ٹکڑا ہے جو ہر قالب میں ڈھل سکتا ہے یا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بچے پر تربیت کا کوئی اثر ہی نہیں پڑتا ان کا خیال بالکل غلط ہے ۔ بچہ دو برس کے سن سے خود غرضانہ طور پر اپنی ضروریات کا شدت سے احساس کرتا ہے اور ہر چیز کو صرف اپنے ہی لئے لینا چاہتا ہے، اس کو دوسرے کی مطلق پروا نہیں ہوتی ۔ وہ ہر بات کو نہایت شوق سے سننا چاہتا ہے اور اس کے سمجھنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے ۔ اس زمانہ میں اس کے اغراض و مقاصد گوناگوں اور نہایت مختلف ہوتے ہیں ۔ اس میں زندگی کی حرکت نمایاں طور پر پائی جاتی ہے ۔

وہ اگرچہ اس زمانہ میں عقل نہیں رکھتا لیکن نہایت ذکی القلب ہوتا ہے
وہ اس حالت میں صرف ایک حیوان ہوتا ہے جو تربیت کے ذریعہ ترقی کر سکتا ہے۔[31]
بعض فلاسفروں کا خیال ہے کہ تمام جذبات و خیالات کا مرکز انسان کے اعضاء و جوارح ہیں
اس لئے اگر وہ کامل اور صحیح ہیں تو اس کے ذریعہ سے بچہ انسان کامل بن سکتا ہے
لیکن اگر ان میں نقص ہے تو بچے پر تعلیم و تربیت کا کوئی اثر پڑ ہی نہیں سکتا — لیکن یہ
نظریہ افراط و تفریط سے خالی نہیں — ہزاروں بچے ناقص الخلقت پیدا ہوتے ہیں لیکن تربیت کی
خوبی ان کے مخفی قوائے فطریہ کو نمایاں طور پر ابھار دیتی ہے جبکہ بہت سے بچے پیدائشی
طور پر تنومند اور بلند و بالا پیدا ہوتے ہیں لیکن چونکہ بچپن میں ان کی تربیت صحیح طور پر نہیں کی جاتی
ہے ان کی تمام فطری صلاحیتیں دب کر مردہ ہو جاتی ہیں۔ اس بنا پر نہ صرف فطرت بچے کو انسان کامل
بنا سکتی ہے اور نہ صرف تربیت تمام قوائے فطریہ سے اس کو بے نیاز کر سکتی ہے۔ فطرت کا کام انسان
کو مختلف قویٰ کا عطا کرنا ہے۔ وہ انسان کو قوت کا خزانہ دیکر اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتی ہے
لیکن اس قوت سے کام لینا اور اس کو مناسب طریقہ پر نشوونما دینا اور ہر قوت کو صحیح موقع پر لگانا
خود انسان کا کام ہے اور اسی کو اصطلاح میں تربیت کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قوائے فطریہ
تربیت کے محتاج ہیں اور تربیت قوائے فطریہ کی خواستگار ہے۔ اس لئے ایک کو دوسرے سے بے نیاز نہیں بنایا جا سکتا۔

اردو زبان میں ماہرین تعلیم و تربیت کی کتابوں کے تراجم ہو چکے ہیں مثلاً ہربرٹ اسپنسر
کی مشہور کتاب 'EDUCATION' یا فرانسیسی مفکر لیبان کی کتابوں کے تراجم۔ مصر کے نامور عالم
مفتی محمد عبدہ نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت پر 'دلائل الاعجاز' اور 'اسرار البلاغہ' جیسی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف کیں۔[32]

---

[31] تربیت اطفال — زرینہ کمال ص ۱۱۲

[32] تعلیم و تربیت — ایک جائزہ، پروفیسر زبیرہ، مقالہ ماہنامہ جہان نما حیدرآباد اکتوبر ۱۹۵۸ء

تعلیمات ([illegible] یا [illegible] EDUCATION)
کے موضوع پر یا اسلامی تعلیم و تربیت کے حصول میں مختلف ادوار میں کئے گئے مختلف تجربات کے ضمن میں معارف کی کچھ نگارشات کے حوالے مندرجہ ذیل ہیں جن سے اس کے علمی خدمات کے اس پہلو کی وضاحت ہو سکے گی ۔ مثلاً

- عہد نبوی میں نظام تعلیم — محمد حمید اللہ
- + اسلامی نظام تعلیم — ریاست علی ندوی
- + اسلامی تعلیم و تمدن — سر عبدالرحیم
- + عہد نبوی میں تعلیم نسواں کی درس گاہیں مصنفہ نصیر الدین ہاشمی پر تبصرہ — سید سلیمان ندوی
- + نظام اسلامی کی تربیت کا کام
- + علوم اسلامیہ کے ادارے
- + جرمنی میں علوم اسلامیہ کی ترویج
- + ہالینڈ میں علوم اسلامیہ کی ترویج
- + مستشرقین کی بین الاقوامی کانفرنس
- + موتمر مستشرقین عالم
- + مستشرقین کا اجلاس کیمبرج
- + مستشرقین کا اجلاس میونخ
- + مذہبی تعلیم اور مدارس اسلامیہ کی ضرورت
- + مسلمانوں کی تعلیم ہندوستان میں
- + مدارس جو دم توڑ رہے ہیں
- + ہندوستان کی گزشتہ اسلامی درس گاہیں — ابوالحسنات
- + مدرسہ نظامیہ + ندوۃ العلماء + مدرسہ عالیہ کلکتہ + جامعہ عثمانیہ
- + جامعہ ازہر + علی گڑھ مسلم یونیورسٹی + جامعہ ملیہ اسلامیہ + دارالمصنفین اعظم گڑھ
- + دائرۃ المعارف حیدرآباد + ادارہ معارف اسلامیہ لاہور
- + شانتی نکیتن میں اسلامی ادبیات کا شعبہ وغیرہ

۹۔ فنون لطیفہ فنون لطیفہ ان انسانی فنون میں سے ہیں جن کا اصل سرچشمہ انسان کے دل کی وہ تحریک اور امنگ ہے جس کے نتائج عمل سے اس کو کوئی مادی فائدہ نہیں بلکہ صرف ایک خاص قسم کا روحانی حظ حاصل ہوتا ہے۔ قدیم زمانہ میں فنون لطیفہ نے کچھ کم ترقی نہیں کی تاہم علمی حیثیت سے وہ مدون نہ تھے لیکن زمانہ حال کی ترقی و تدوین نے اب ان کو مستحکم اور پائیدار استقلال بخش دیا ہے۔ فنون لطیفہ کی حقیقت سمجھنے کے لئے سب سے پہلے خود فن کی حقیقت جاننی چاہئے ——
انگریزی میں دو لفظ ہیں SCIENCE اور ARTS۔ اسی کے مقابلے میں ہمارے ہاں بھی دو لفظ ہیں علم یا ज्ञान اور فن یا कला۔ علم اور فن کا باہمی فرق بتانا مشکل ہے لیکن یہ بظاہر نظر آتا ہے کہ ان دونوں کی حقیقت متعدد امور میں باہم ممتاز ہے۔ علم انسان کی تحقیق و کاوش اور بار بار کے دماغی غور و فکر اور عملی تجربہ کا نتیجہ ہے بلکہ فن انسان کے جذبات حسن پرستی اور لذت طلبی کا رد عمل ہے۔ علم انسان کے دماغ اور عقل سے داد طلب ہے لیکن فن دل اور دل کے جذبات کا طلبگار ہے۔ علم کا مقصد انسان کے مشکلات کا حل اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل ہے لیکن فن صرف انسان کی خوشی و مسرت کا سامان ہے۔ انگریزی میں ARTS (فنون) کی دو قسمیں ہیں۔ USEFUL ARTS (فنون نافعہ) اور FINE ARTS (فنون لطیفہ) ہم نے علم و فن کے درمیان جو امتیازات قائم کئے ہیں ممکن ہے فنون نافعہ پر وہ براہ راست صادق آئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم و فن کا باہمی فرق و امتیاز اس سے آسان تر صورت میں دکھلایا بھی نہیں جا سکتا ——

فنون لطیفہ کی جلی تقسیمات عموماً پانچ شمار کی جاتی ہیں۔ شعر + سنگ تراشی + مصوری + موسیقی + معماری ان کے علاوہ ڈرامہ اور رقص وغیرہ بھی ان فنون میں داخل سمجھے جاتے ہیں۔ [۳۳]

معارف کے صفحات پر فنون لطیفہ سے متعلق جو مضامین و مقالات ملتے ہیں ان میں ایک اہم مفصل مقالہ مرزا احسان بیگ کا تحریر کردہ "فنون لطیفہ" ہے جو تین قسطوں میں شائع ہوا ہے اور متعلقہ فنون پر بہتر طریقت سے روشنی ڈالتا ہے [۳۴]
فنون لطیفہ یا فنون جمیلہ پر معارف کی کچھ اور نگارشات کا جائزہ مندرجہ ذیل عنوانوں سے ظاہر ہے:

شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کی ایک نایاب تصنیف "سانگیت شاستر" —— محمد غضنفر الدین خاں
+ اسلام کا ذوق جمال + زریاب (اسلامی دنیا کا نامور مغنی اور مغربی وضع اور فیشن کا موجد)
+ عباسی عہد کے ظروف اور دیگر آثار + عمارات اسلام + کشمیر کے آثار قدیمہ + پنجاب اور سندھ کے آثار قدیمہ
+ پٹنہ کے آثار قدیمہ + لاہور کے آثار قدیمہ + تاج محل اور لال قلعہ کے معمار + کھمبات کے آثار
+ اورنگ آباد کی پن چکی اور اس کی تاریخ

---

۳۳ فنون لطیفہ ضرورت اور اہمیت شبیب انور ص ۳۳-۴۳
۳۴ معارف فروری مارچ مئی ۱۹۱۷ء

۱۰- تذکرے صحابہ کرام، تابعین و تبع تابعین، علماء و فضلاء و دانشورانِ اسلام، رجالِ عہدِ عتیق، خلفاء و سلاطین
صوفیاء و اہل اللہ، مشاہیر، غیر مسلم مفکرین اور مستشرقین وغیرہ نامور شخصیتوں پر مقالات ملتے ہیں مثلاً

۱- اصحاب رسول ﷺ کے تذکرے: مثلاً خبیب بن عدی (سولی پر اسلام کی پہلی لاش) ـ سعید الفاروق + حضرت سالم مولی ابی حذیفہ ـ شاہ معین الدین ندوی + حضرت سعد بن عمیر ـ شاہ معین الدین ندوی + حضرت سعد بن معاذ + حضرت سعید بن زید

۲- تابعین کے تذکرے: مثلاً تابعین کے علمی اور دینی کارنامے ـ // + حضرت لقمان ثوری کی سوانح اور تصنیفات امتیاز علی عرشی

۳- تبع تابعین کے تذکرے: امام ربیع (امام حسن بصری کے شاگرد) ـ قاضی اطہر مبارکپوری + امام ابو موسیٰ (امام حسن بصری کے شاگرد)

۴- علماء و فضلاء اور دانشوران اسلام کے تذکرے: مثلاً امام ذہبی ـ یوسف کوکن + امام سرخسی ـ ڈاکٹر حمید اللہ
+ حسن بن صباح ـ عبدالحلیم چشتی + ابن جریر طبری ـ اویس نگرامی + امام رازی ـ عبدالسلام ندوی + امام اوزاعی ـ مجیب اللہ ندوی
+ امام غزالی + امام ادریسی + امام ابن تیمیہ + امام ابن القیم + علامہ ابن جوزی + محقق طوسی
+ مولانا عبیداللہ سندھی + مولانا محمد علی مونگیری + مولانا مودودی + حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی
+ امام ابوالحسن اشعری + حافظ ابن حجر + حافظ ابن مبارک ـ ضیاء الدین اصلاحی + سیوطی ـ اویس نگرامی
+ عبداللطیف بغدادی ـ عبدالسلام ندوی + جلال الدین قزوینی ـ محمد نوراللہ احسان الٰہی + شیخ محی الدین ابن عربی ـ مناظر احسن گیلانی
+ حسین بن منصور حلاج ـ سید سلیمان ندوی + یاقوت حموی ـ عبدالسلام ندوی + مقریزی ـ ضیاء الدین اصلاحی
+ عبدالوہاب نجدی ـ مسعود عالم ندوی + ابوالعلاء معری

۵- صوفیاء اور اہل اللہ کے تذکرے: مثلاً حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ + مولانا مظفر شمس بلخیؒ
+ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ + حضرت رکن عالم ملتانی ـ سید عبداللہ دلیسوی + سپہ سالار مسعود غازی ـ ریاست علی ندوی
+ حضرت شیخ سماء الدین دہلوی ـ نذیر احمد + شیخ احمد سرہندی ـ مولانا غلام رسول مہر + حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ـ محمد مظفر الدین خان
+ العروۃ الوثقیٰ ـ ابوالحسنات ندوی + مولانا الیاس کاندھلوی

۶- رجال عہد عتیق کے تذکرے: مثلاً نوشیروان عادل ـ معین الدین حسن

۷- خلفاء و سلاطین کے تذکرے: مثلاً خلفائے بنو امیہ اور اشاعت اسلام ـ عبدالسلام ندوی + خلفائے بنو عباس ـ ڈاکٹر سالم

۸- مشاہیر کے تذکرے: مثلاً سید حسین بلگرامی + صلاح الدین خدابخش + جمال الدین افغانی + رشید رضا مصری + ڈاکٹر ذاکر حسین
+ حکیم اجمل خان + ڈاکٹر ضیاء الدین + سر راس مسعود + ڈاکٹر عبدالحق + حبیب الرحمٰن خان شیروانی + رشید احمد صدیقی

۹- غیر مسلم مفکرین کے تذکرے: مثلاً پروفیسر آرنلڈ + ٹیگور + گوئٹے + ٹالسٹائی

۱۰- مستشرقین کے تذکرے: مثلاً ڈاکٹر براؤن + پروفیسر مارگولیتھ وغیرہ وغیرہ

۱۱- مکتوبات معارف کے صفحات میں مشاہیر کے مکتوبات اور مراسلات بھی ملتے ہیں ۔ جن سے نہ صرف یہ کہ ان کے عہد کے واقعات اور مسائل پر خاطر خواہ روشنی پڑتی ہے بلکہ بتدریج مختلف تاریخی ادوار کی سیاسی، سماجی، علمی و ادبی نقل و حرکت کی دیدہ زیب جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں مثلاً مکاتیب سرسید و شبلی + اکابرین ہند کے خطوط سید سلیمان ندوی کے نام وغیرہ وغیرہ

۱۲- اسلام یہ عنوان دو حصوں میں منقسم نظر آتا ہے ۔ ایک فرقِ اسلامی یعنی اسلام کے نام مختلف حق اور باطل فرقوں کے ضمن میں مضامین ملتے ہیں اور فرقِ اہل سنت والجماعت کی وضاحت ہوتی ہے دوسرے متعلقات اسلام یعنی زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق اسلامی اثرات کی وضاحت کرنے والے مضامین ملتے ہیں ۔ اول الذکر کی چند مثالیں : اسلام کے مختلف فرقوں کی نشو و نما اور اس کے علل و اسباب ـــ عبدالسلام ندوی + قادیانیت + بہائیت + بواہیر + قرامطہ وغیرہ

موخر الذکر کی چند مثالیں : جہاد کا قرآنی مفہوم + علم کا قرآنی مفہوم + کیا اسلام مادی ترقی کا مانع ہے؟ وغیرہ

۱۳- عالمِ اسلام دنیا کے مختلف ممالک اور حصوں میں اسلامی اثرات کی وضاحت کرنے والے مضامین ملتے ہیں مثلاً روس میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ + چین میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت + یورپ میں اسلام اور مسلمان + امریکہ میں دعوت اسلام + ارمغانِ احباب (ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفرنامہ) ــ مولانا عبدالحی وغیرہ

۱۴- سائنس سائنس کے مختلف علوم و فنون سے متعلق عمدہ اور بیش قیمت مضامین ملتے ہیں بالخصوص تقویم، ہیئت، ریاضی، طب، زراعت، طبعیات، کیمیا، علم الحیات، ٹیکنالوجی اور جنرل سائنس وغیرہ مثلاً عربوں کا شمسی کیلنڈر + اسلامی رصد خانے + طب میں مسلمانوں کے اکتشافات و اجتہادات + جہاز رانی اور عرب + مسلمان اور [illegible] وغیرہ

۱۵- معاشیات و اقتصادیات مثلاً اسلام کا معاشیاتی نظام + معاشیات پر ابن خلدون کے خیالات + اسلامی معاشیات کے چند فقہی اور قانونی ابواب + اسلام اور دورِ جدید کے اقتصادی مذاہب + اصولِ تقسیم دولت اور اسلام + اسلامی قانونِ ارث + حکومت کی آمدنی اور اس کے مصارف و اغراض وغیرہ

۱۶- سیاسیات مثلاً اسلامی نظریہ سیاست + قرآنی تصور مملکت + انسانی تاریخ کی ایک مثالی حکومت + اشتراکیت اور اسلام + اسلام اور اصول حکومت + تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی

۱۷- کتابیں اور کتب خانے مثلاً مثنوی مولانا روم + اخبار الصنادید + الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند + الفرق بین الاولیاء و اولیاء الشیطان + سفرنامہ امام شافعی + مشاہیر ہند + تاریخ مشائخ چشت + گیتانجلی + کتب خانہ اسکندریہ + لندن کے کتب خانے + ٹونک، معظم آباد، دلینہ، حبیب گنج کے کتب خانے وغیرہ

⑵ معارف کی ادبی نگارشات

۱۔ اردو زبان وادب سے متعلق نگارشات زمانہ قدیم سے عصر حاضر تک اُردو کے نثری ادب میں جو تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اگر ان کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوگی کہ زبان اُردو کی ہر صنف سخن نے وقت کے بدلتے ہوئے حالات اور تاریخ کے ہر موڑ پر زندگی کا ساتھ دیا ہے۔ چنانچہ اُردو نثری ادب بھی بڑی حد تک بول چال کی زبان اور ملکی و سماجی حالات کی تبدیلیوں سے وابستہ رہا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ گذشتہ پچاس برسوں میں انسان نے زندگی کے ہر شعبہ میں جس تیز رفتاری سے ترقی کی ہے اس کی مثال ماضی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ نثری ادب کے اس تدریجی ارتقاء کا مطالعہ ہمیں تاریخی شعور اور سماجی بصیرت عطا کرتا ہے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں طلباء اور اساتذہ، عوام اور خواص بے حس اور کند ذہن نہیں بلکہ گذشتہ نسلوں کے مقابلے میں زیادہ زیرک اور حساس، زیادہ باشعور اور باصلاحیت ہیں، زیادہ اخذ و قبولیت اور زیادہ جذب و انجذاب کی استعداد رکھتے ہیں۔ جرائد و رسائل، فلم اور ٹیلی ویژن، وسائل نشر و اشاعت اور ذرائع ابلاغ کی فراوانی نے ان کے ذہنی سطح کو عصری حسیت بخش دی ہے۔ لہٰذا ان کے ذہنی سطح کی تسکین اور بہتر نشوونما کے لئے ایسے مرکبات اور ماکولات، ایسے اغذیہ اور مشروبات کی ضرورت ہے جو ماضی کے شعور کے ساتھ ساتھ زمانۂ حال کے تقاضوں کو سمجھنے اور پورا کرنے کے لئے ذہنی استواری اور استحکام فراہم کر سکیں۔

معارف نے کوشش کی ہے کہ اردو کے اعلیٰ نثری نمونوں کو پیش کیا جائے تاکہ مختلف اسالیب نثر کا اندازہ ہو سکے۔ چنانچہ معارف نے ذہنی سطح پر صاف ستھرا ادبی ذوق فراہم کیا، آب مقطر سے گل و قند کے مشروبات بنائے اور زعفران زار خوان نعمت پیش کئے۔ نظم و نثر اور شعر و ادب کے میدان میں اپنی قلم کاری اور سحر نگاری کا جادو کچھ ایسے بھرپور طور پر اور ایسے شاندار انداز سے جگایا کہ زبان و ادب کے عظیم المرتبت شخصیتوں کی صف میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ بڑی خوش اسلوبی سے اپنے [illegible] ادبی PATTERN کے فضائل و محاسن کو اپنے معاصرین اور ناقدین سے منوایا۔ یہ اس کا مخصوص کارنامہ ہے کہ اس نے وقتی الاثر عامیانہ ادب سے گریز کیا، بلا وجہ ادبی ذوق کی تسکین کا جواز فراہم نہیں کیا، بے معنی ادبی یا نفسیاتی احساسات کو IRRITATE کرنے سے پرہیز کیا۔ اس نے اس بات پر بھی کبھی فخر نہیں کیا کہ ہر علمی و فنی سے متعلق ذوق طبع کی تسکین کا سامان بہم پہونچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ یہ تو اپنے مخصوص طرز کی زبان و ادب کا ترجمان ہے، اس کے اپنے آداب و اسلوب ہیں، اس کے اپنے اصول و ضوابط ہیں،

اس کا سادہ ملّی وقومی رنگ جھلکتا ہے اور مخصوص اسلامی اور مذہبی نقطۂ نظر بھی جس سے صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے بہرحال ایک لمبے عرصے تک اس مخصوص زبان وادب نے یا تو علم وفن اور زبان وادب کے خواص اور ماہرین کو محظوظ کیا یا صاحبانِ ذوق اور شائقینِ فن کی تسکینِ طبع کا سامان فراہم کیا۔ اس نے خیالی جنت (UTOPIA) کو تسخیر کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے اصولِ زرّیں اور اپنے خونِ جگر سے سینچنے والی اقلیمِ سخن کو حاصل کرنے کی سعی وجستجو کی جو دنیا میں بھی متحرک اور باعمل زندگی کی نمائندگی کرتی ہے اور آخرت میں بھی دائمی سرخروئی کا باعث ہو۔

معارف نے اردو زبان کی ترقی کے خواستگاروں اور اس کے غم میں شب وروز گھلنے والوں کو نہایت مناسب مشورہ دیا ”اردو کے بہی خواہوں کو اگر اپنی مادری زبان سے واقعی محبت ہے تو ان کو وقتی تسلیوں یا کسی بھی قسم کی بیساکھیوں کا سہارا نہیں لینا ہوگا۔ ان کی مادری زبان ان کی خود شکستگی، بیچارگی کے احساس سے یا حکومتِ وقت کی بے توجہی کی شکوہ سنجی اور نوحہ خوانی کے تذکروں سے زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ اس کے لئے ان کو خود اعتمادی، خود شناسی، ہوشمندی، تعمیری چارہ جوئی اور ایثار پسندی سے کام لینا ہوگا ورنہ ان کو اس کے لئے اسی طرح رونا اور ماتم کرنا ہوگا جس طرح ہندوستان کی فارسی بولنے والی نسلیں فارسی کے لئے رو دھو چکی ہیں۔ مگر اردو اور فارسی میں فرق یہ ہے کہ اردو ہندوستانی نژاد ہے، یہیں وہ پیدا ہوئی اور نشوونما پاتی رہی اور یہیں اس کو زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ جمہوری دور میں حق کی بھیک نہیں ملا کرتی بلکہ حق تو ایثار پسندانہ اور مدبرانہ کارگزاریوں سے منوایا جاتا ہے۔ اس لئے خود اردو کے پرستاروں کو اپنی آزمائش کا سامنا ہے۔ یہ مظلوم زبان نہ صرف حکومت بلکہ خود ان سے بھی کہہ رہی ہے کہ تجھ میں خوش نوایانِ چمن کی آزمائش ہے“

معارف نے لسانیات اور ادب میں ہی قدروں کو نہ صرف یہ کہ اجاگر کیا بلکہ تمدنی نقش آرائیوں، تہذیبی نفاستوں اور ثقافتی مرقعات سے سجایا۔ اس صحیفہ کے قلم کاروں نے تاریخ جیسے خشک اور بے کیف مضمون کے آئینے میں تہذیبی جلووں کا ایسا رنگ بھر دیا کہ تاریخ میں افسانے کا لطف پیدا ہو گیا اور ادبیات کی دنیا میں ایک زندہ اور جاندار ادب کی تخلیق ہوئی۔ کبھی بیگمات شاہی کی جوڑیاں، جواہرات اور زیورات کھنکنے اور دمکنے لگے، کبھی سنگار، خوشبوئیات اور عطور کی دلآویز مہک اڑنے لگی، کبھی ملبوسات اور پارچہ بافی کے جاذبِ نظر نگاہوں میں کھبنے لگیں، کبھی آلاتِ موسیقی کی تیز اور دھیمی جھنکار گونجنے لگی، کبھی خورد و نوش کے ساز و سامان،

لہ شذرات معارف مارچ ۱۹۷۵ء

لوازم مجلس، سامان خوابگاہ، کھانے پکانے کے ظروف، ظروف طعام و دسترخوان، سواریاں، تہوار اور تقریبات کی جھانکیاں اس طرح نگاہوں کے سامنے ناچنے لگیں کہ آدمی محو حیرت ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہی رہ جائے اور مصوری و موسیقی کی اس دنیا میں نہ صرف یہ کہ خود تصویر حیرت بن جائے بلکہ تکنیکی اور کلاسکی ادب پر بحث شروع کر جائے۔ چند سطور بطور مثال پیش کی جاتی ہیں :

۱ ۔ سلطان غیاث الدین بلبن کی شان میں سنسکرت زبان کا ایک قصیدہ پیش کیا گیا جس کے مفہوم کو اردو زبان و ادب کے قالب میں جس طرح منتقل کیا گیا وہ قابل مطالعہ ہے ——— بنگال کے گور شہر سے افغانستان کے شہر غزنہ تک اور دکن میں دراوڑ اور رامیشورم تک ہر جگہ ملک اس طرح منور و معمور ہے جیسے درختوں کی خوبصورتی سے موسم بہار میں زمین مزین ہو جاتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس بادشاہ صاحب رفعت و شان کی خدمت میں جو متعدد راجے مہاراجے آتے جاتے ہیں ان کے مکٹوں (मुकुट) میں جڑے ہوئے جواہرات کی چمک دمک سے سارا ملک جگمگا رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جب سے اس سلطان ذی شان نے دنیا کا بوجھ اپنے کاندھوں پر لیا ہے دنیا کو سہارا دینے والے شیش ناگ (शेष नाग) دھرتی کے بوجھ سے سبکدوش ہو بیٹھے ہیں اور وشنو بھگوان (विष्णु भगवान) جہان کی نگہبانی کا خیال چھوڑ کر اطمینان سے دودھ کے سمندر پر محو استراحت ہیں ۔ دہلی کا دلفریب شہر خوشحال اور فارغ البال ہے، سورگ دھام (स्वर्ग धाम) کی طرح عیش و عشرت کا ٹھکانہ ہے، پاتال (पाताल) کے مانند شہہ زوروں کا مسکن ہے اور مایا (माया) کی طرح دلفریب اور دلکش ہے ۔ ص[2]

۲ ۔ ایک اور موقع پر درباری شاعر پنڈت راج نے جہانگیر کو مخاطب کر کے جو اشعار کہے ان کی ترجمانی بڑے کیف آفرینی کے ساتھ بڑی ادبی لطافت اور نزاکت کے ساتھ کی جا رہی ہے ——— آپ کا دشمن دھاگہ کیوں سیاہ ہو گیا؟ یہ سیاہ سوت سے مل گیا! یہ کہاں ملا؟ نربدا کے جل (जल) میں! پانی میں کاجل کیسے ملا؟ جو صاحب جلال و عظمت بادشاہ کے دشمن ہیں ان کی لڑکیوں کی خوبصورت آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہا وہی پانی میں مل گیا ۔ ص[3]

۳ ۔ احوال و واقعات کے تذکروں میں نت نئی ترکیبوں کے ساتھ خوب استعمال کئے گئے، عمدہ تشبیہات اور استعارات کو ان اوراق مصور میں جگہ جگہ ٹانکے گئے اور پُر معنی ادبی ترکیبوں کی ایجادات سے

ص[2] + ص[3] } مقالہ صباح الدین عبدالرحمن دلوں کو جوڑنے والا مورخ — محمد عمر الصدیق دریابادی رسالہ نیا دور لکھنؤ

اختراعات کے لیے زمین ہموار کی گئیں جو لسانیات و ادب کی تاریخ میں ایک خوبصورت اور گراں قدر اضافہ ہے۔
مثلاً گوالیار کے ایک قلعہ کو دیکھ کر تاج المآثر کے مصنف کے حیرت و استعجاب کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے:
"یہ اتنا اونچا ہے کہ تیز و تند ہوا بھی اس کی اونچائی کو نہیں پہونچ سکتی، فصیل پر بادل بھی نہیں چڑھ سکتا"۔ [4]
یا ابوالفضل کے نثر میں رنتھمبور کے قلعہ کی اونچائی اور مضبوطی کا اظہار اس ادبی فقرہ کے ذریعے کیا جاتا ہے:
"خیال کی منجنیق بھی اس کی اونچائی کو نہیں پا سکتی"۔ [5]

یہ تو محض چند غیر اختیاری اقتباسات ہیں ورنہ اس بحر معارف کی ہر موج دراصل ادب عالیہ کے موتیوں سے پُر ہے۔ ذیل میں ہم اردو زبان و ادب سے متعلق صرف چند مضامین کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ اردو زبان کی اہمیت اور مقبولیت سے متعلق نگارشات کی نشاندہی

مثلاً اردو کیونکر پیدا ہوئی — سید سلیمان ندوی معارف شمارہ ۱۵ جلد ۳۲
+ ہماری زبان بیسویں صدی میں — " معارف شمارہ ۵، ۶ جلد ۴۰
+ اردو زبان کی لسانی، علمی اور تمدنی اہمیت — شاہ معین الدین ندوی معارف شمارہ ۶ جلد ۶۸
+ ملکی زبانوں میں اردو کا حصہ — سعید الغازی معارف شمارہ ۲۵ جلد ۸

۲۔ قومی زبان کی حیثیت سے اردو کے موقف پر مثبت اور منفی رجحانات کی ترجمانی کرنے والی نگارشات کی نشاندہی

مثلاً ہندوستان کی اصلیت اور اس کے کچھ اصول — سید سلیمان ندوی معارف شمارہ ۳ جلد ۶۲
+ ہندوستان کی زبان کے متعلق چند غلط فہمیاں — ڈاکٹر تاراچند معارف شمارہ ۳، ۴ جلد ۸

۳۔ مختلف زبانوں سے متعلق نگارشات کی نشاندہی

مثلاً گجراتی زبان اور اس کی تاریخ — ابوظفر ندوی معارف شمارہ ۳ تا ۵ جلد ۳۲
+ سندھی زبان کی تاریخ سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے معارف شمارہ ۳ جلد ۵۱

۴۔ اردو کو اس کا جائز حق دلانے کے لیے سعی و کوشش سے متعلق نگارشات کی نشاندہی

مثلاً انجمن ترقی اردو ہند کی نشاۃ ثانیہ معارف شمارہ ۱ جلد ۶۴ + ہندوستانی اکیڈمی کی تنظیم جدید اور اردو معارف شمارہ ۶

۵۔ رسم الخط اور لسانیات کے موضوع پر نگارشات کی نشاندہی

مثلاً رسم الخط کی اجمالی تاریخ معارف شمارہ ۱ جلد ۲ + اردو املا کی تاریخ معارف شمارہ ۶ جلد ۶۷ + فن طرز خط کی جدید تشکیل معارف شمارہ ۱ جلد ۴۲

---

[4] + [5] مقالہ صباح الدین عبدالرحمٰن دلوں کو جوڑنے والا مورخ — محمد علی الصدیق دریابادی رسالہ نیا دور لکھنو یادرفتگاں نمبر ۹

۲- فارسی زبان وادب سے متعلق نگارشات فارسی زبان کا شمار نہ صرف یہ کہ دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں ہوتا ہے بلکہ دنیا کی ایک ایسی اہم اور مالدار زبان میں ہوتا ہے جس کے پاس نظم ونثر کا ایک بڑا خزانہ ہر موضوع اور عنوان سے متعلق موجود ہے۔ دنیا کے کئی مذاہب اور فرقوں پر اس زبان کے گہرے تہذیبی اور ثقافتی اثرات ہیں۔ عہد قدیم سے عہد جدید تک سالار اور سلاطین کی سرپرستی کا شرف اس کو حاصل رہا اور پنپنے اور ترقی کرنے کے بیش از بیش مواقع اس کو حاصل ہوتے رہے۔ اس وقت بھی دنیا کے ایک اہم ملک ایران کی سرکاری زبان کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہے اور ایران کی سرحدوں سے ملحق سابقہ سوویت روس سے علیحدہ ہونے والی آزاد مملکتوں نیز افغانستان، پاکستان اور ہندوستان میں اس زبان کے نقوش اثرات شروع سے آج تک کم وبیش پائے جاتے ہیں۔ برصغیر میں یہ زبان ترک اور افغان حملہ آوروں کے ساتھ یا صوفیاء اہل اللہ علماء فضلاء ادباء شعراء اور تاجروں کے ذریعے داخل ہوئی اور شاہی درباروں تک رسائی حاصل کرنے میں اس کو کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔ دلی سلطنت کے مختلف ادوار میں اور عہد مغلیہ میں اورنگ زیب عالمگیر تک اس زبان کو سرکاری زبان کی حیثیت حاصل رہی۔ راجپوت اور مرہٹہ درباروں میں بھی اس کی پذیرائی ہوتی رہی ۔ انگریزوں نے بھی شروع میں اس کی اہمیت کو تسلیم کیا اور سرکاری زبان کی حیثیت سے قبول کیا لیکن اردو ہندی کے فروغ و استحکام کے ساتھ ساتھ اور دیگر سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر اس کی اہمیت کم ہوتی گئی۔ مسلم تہذیب وتمدن پر اس زبان کے بڑے گہرے اور دیرپا اثرات مرتب ہوئے۔ اول تو اردو جیسی شیریں اور مقبول عام زبان عربی فارسی جیسی زبانوں کے مخارج اور سرچشموں سے ہی اُبلی اور ابھری، دوسرے مسلمانوں کا بہت بڑا مذہبی، تہذیبی، ادبی اور اخلاقی سرمایہ اس زبان سے متعلق محفوظ ہے۔ ابھی سو برس پہلے کی بات ہے اس ملک میں مسلمان تو مسلمان متوسط اور اعلیٰ طبقے کے ہندوؤں اور غیر مسلموں کے بچوں کو بھی شروع سے فارسی کی تعلیم حاصل کرنی پڑتی تھی۔ بھارت کے پہلے راشٹرپتی ڈاکٹر راجندر پرشاد نے جب ایک سرکاری تقریب میں سابق شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی آریہ مہر سے ڈیڑھ گھنٹے تک براہ راست فارسی زبان کے نہایت عمدہ اور معیاری لہجے میں گفتگو کی تو اس وقت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو ان کی اس استعداد پر دنگ رہ گئے تھے۔[6] پچاس برس پہلے تک مدارس میں بچوں کو گلستان بوستان وغیرہ پڑھانے کا رواج تھا۔ گھروں میں دیوان حافظ اور گلستان بوستان جیسی کتابیں نہ صرف یہ کہ عام طور پر مل جایا کرتی تھیں بلکہ گھر کے چھوٹے بڑوں میں ان کتابوں کو سمجھنے اور ان سے اخذ کرنے کی بھی تھوڑی بہت صلاحیت پائی جاتی تھی۔ بیس پچیس برس پہلے تک اردو زبان کا کوئی قادر الکلام شاعر ایسا نظر نہیں آتا جس کے

---

[6] یادیں تلخ وشیریں — انل پرشاد لبواس ص ۶۵

دیوان میں فارسی کا کلام الگ سے شامل نہ ہو ۔ نثر کی کتابوں میں بھی حمدیہ اور نعتیہ اشعار کے لیے ہی اصل مضمون لکھنے کا رواج تھا ۔ نثری تحریروں میں بھی اور عام بول چال میں بھی کثرت سے فارسی کی عبارتیں، ترکیبیں، محاورے اور ضرب الامثال وغیرہ مستعمل تھیں ۔ کچھ اور پیچھے کی طرف جائے تو سماع کی محفلوں میں فارسی کے اشعار پر وجد و حال کی ایسی کیفیات طاری ہوتی تھیں کہ روحیں پرواز کر جاتی تھیں ـــــ مگر جس طرح دنیا کی ہر فانی چیز کی مانند زبانوں کو بھی اپنی حیاتِ طبعی کے انحطاط اور اقبال مندی کے نشاط سے محرومی کے دن دیکھنے پڑتے ہیں اسی طرح برصغیر کی حدود میں اس مقبول و ہر دل عزیز زبان کو بھی دیکھنا پڑا ۔ ہمارے ملک کے گزشتہ پچاس برس کے سیاسی نشیب و فراز کے نتیجے میں عوامی سطح پر تو یہ زبان بالکل ختم ہو چکی ہے البتہ خواص کے حلقوں میں مطلقاً یا فوریتاً کسی حد تک اس کی چاہت اور دل بستگی قائم ہے ۔ اردو ادب کے ارتقاء و عروج میں اس زبان کا بہت بڑا ہاتھ ہے اور آج بھی اس سے استفادے کی راہیں اہل علم اور اہل کمال حضرات کے لیے کھلی ہوئی ہیں ۔ اس لیے علمی و ادبی حلقوں میں آج بھی اس کو کسی نہ کسی حد تک قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور اس زبان سے استفادے کے بغیر اردو زبان کے صاحبانِ علم کے لیے چارہ نہیں [13] ـــ

معارف نے فارسی زبان کی مذکورہ بالا تاریخ ساز اہمیت کو نہ صرف یہ کہ فراموش نہیں کیا بلکہ ۸۳ برس تک مسلسل قدردانی اور قدرشناسی کا حتی الامکان حق ادا کرنے کی کوشش بھی کی ۔ اپنے اس قول کی صداقت کے لیے معارف کے حالیہ شمارہ یعنی شمارہ ۶ ~~۹۹~~ بابت جون ۱۹۹۹ میں مذکور فارسی نظم و نثر کے شاہکاروں یا ان کے تراجم کا حوالہ دینا کافی سمجھتے ہیں جن میں فارسی شعر و شاعری کی لذت و حلاوت بھی ملتی ہے [7] اور فارسی نظم و نثر سے متعلق مشہور و معروف کتابوں کے حوالے بھی مثلاً مثنوی پدماوت مصنفہ ملک محمد جائسی بہ عہد شیر شاہ [8] + تاریخ فرشتہ مصنفہ ابوالقاسم فرشتہ بہ عہد علاؤ الدین خلجی [9] + تاریخ فیروز شاہی مصنفہ ضیاء الدین برنی بہ عہد فیروز شاہ تغلق [10] + خزائن الفتوح مصنفہ امیر خسرو بہ عہد علاؤ الدین خلجی [11] + آئینِ اکبری مصنفہ ابوالفضل بہ عہد جلال الدین محمد اکبر [12]

---

[7] اے کہ ہم راہ موافق بہ جہان می طلبی + آن قدر باش کہ عنقا ز سفر باز آید ص ۲۰۳

[8] بحوالہ ملک محمد جائسی پدماوت صفحہ ۱۱۰، صفحہ ۱۲۱ – ۱۲۴، صفحہ ۱۱۷ – ۱۱۸ ص ۴۳۵ + ۴۳۷ + ۴۳۰

[9] ۲۵ سطور بحوالہ تاریخ فرشتہ جلد اول منشی نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۱۵
منقول "پدمنی اور علاؤ الدین خلجی کا قصہ" از پروفیسر اکبر رحمانی ص ۴۲۵ – ۴۴۵

[10] ۵ سطور بحوالہ تاریخ فیروز شاہی قاضی مغیث الدین اور سلطان علاؤ الدین خلجی کی گفتگو کے ضمن میں ص ۴۴۲

[11] خزائن الفتوح صفحہ ۹۴ ص ۴۳۹

[12] بحوالہ آئینِ اکبری جلد سوم مترجمہ مولوی محمد فدا علی طالب سنگ میل پبلی کیشنز لاہور صفحہ ۹۶۸ تا ۹۶۹ ص ۴۲۵

[13] برصغیر میں فارسی زبان کا مستقبل ـــ عبداللہ شمسی ماہنامہ اردو کراچی مئی ۱۹۹۸ ص ۱۱۵

الغرض معارف کے صفحات میں جا بجا فارسی کے نگینے جڑے ملتے ہیں نیز فارسی زبان سے متعلق برصغیر کے نامور محققین واہل قلم حضرات کی نگارشات بھی وقتاً فوقتاً معارف کے قیمتی صفحات کی زینت بنتی رہی ہیں۔ یہ بات خود ایک دلچسپ موضوع بحث بن سکتی ہے کہ بیسویں صدی کے برصغیر میں فارسی زبان و ادبیات کے وجود و بقا اور پھر فروغ میں معارف کا کتنا حصہ ہے۔ ذیل میں ہم معارف کے بعض اہم مضامین کا ذکر کرتے ہیں جن سے پہلوی، دری اور جدید فارسی، اس کے صرف و نحو، صوتیات و لسانیات، مخطوطات اور کلاسیکی شاعری جیسے عنوانات کے تحت فارسی زبان و ادب کا نہایت بیش قیمت جائزہ سامنے آجاتا ہے :

۱۔ زبان و ادب سے متعلق عمومی نگارشات

مثلاً پہلوی ادب — سید وقار الہی معارف شمارہ ۱ جلد ۱۹ + یائے مجہول فارسی — شیخ عبدالقادر معارف شمارہ ۱ جلد ۱۷ + محاکات اور فطری تشبیہیں — عبدالقوی فانی معارف شمارہ ۶ جلد ۳۵ + فارسی جدید کی شاعری — ایم جی زبیر احمد معارف شمارہ ۳ تا ۴ جلد ۳۱ + ارتقائے ادب فارسی عہد اکبر میں — ضیاء الہی معارف شمارہ ۲ تا ۶ جلد ۱۸ + فارسی زبان میں صوت شناسی — نذیر الہی معارف شمارہ ۵ جلد ۱۶ + لیتین رسم الخط اور فارسی زبان — آقائے سید محمد علی معارف شمارہ ۱ جلد ۲۸ + ہندوستان میں فارسی کا مطالعہ اور اس کا مستقبل — امیر حسن عابدی معارف شمارہ ۱ جلد ۷۶ + فارسی میں یائے مجہول — سید ناظر الحسن ہوش بلگرامی معارف شمارہ ۲ جلد ۶

۲۔ اساتذۂ زبان و ادب کے شاہکاروں سے متعلق نگارشات

مثلاً دیوان حافظ اور سلاطین مغلیہ — نجیب اشرف ندوی معارف شمارہ ۵ جلد ۱۰
+ مرج البحرین شرح فارسی دیوان حافظ — حافظ احمد علی خان رامپور معارف شمارہ ۴ جلد ۱
+ کلام خواجہ سنائی غزنوی — حبیب الرحمن خان شیروانی معارف شمارہ ۶ جلد ۳۸ + ظہوری کا مولد — نذیر احمد معارف شمارہ ۵ جلد ۵۹ + سلسلۃ الذہب مصنفہ جامی کی تاریخ تصنیف — مسعود حسن شمسی معارف شمارہ ۱ جلد ۱
+ خواجہ عطار اور وحدت الوجود — محمد احمد صدیقی معارف شمارہ ۴ جلد ۷۵
+ سرمد اور اس کی رباعیاں — نجیب اللہ ندوی معارف شمارہ ۵ جلد ۵۷ اور معارف شمارہ ۱ جلد ۵۸
+ خواجہ خورد اور ان کی رباعیاں — محمد مسعود احمد معارف شمارہ ۴ جلد ۸۶

+ عرفی کی شعر و شاعری ـــ آقائے سید محمد علی — معارف شمارہ ۳ جلد ۲۰

+ فیضی کی مثنوی ـــ سعید الدین خان — معارف شمارہ ۴ جلد ۲۰

+ شہاب الدین مہمرہ استاد امیر خسرو ـــ سید صباح الدین عبدالرحمن — معارف شمارہ ۴ جلد ۷۰

+ خاقانی ـــ شاد عزیز — معارف شمارہ ۱ جلد ۳۱

+ تاریخ وفات نظامی گنجوی ـــ قاضی احمد میاں اختر — معارف شمارہ ۳ جلد ۳۲

+ زیب النساء اور دیوان مخفی ـــ محفوظ الحق — معارف شمارہ ۵ جلد ۱۱

+ آزاد بلگرامی ـــ عبدالرزاق قریشی — معارف شمارہ ۱ تا ۵ جلد ۹۴

+ شیخ فریدالدین عطار ـــ ابراہیم ڈار — معارف شمارہ ۱ تا ۲ جلد ۷۶

+ شاہ نعمت اللہ ولی اور ان کا قصیدہ ـــ ریاست علی ندوی — معارف شمارہ ۱ جلد ۶۱

+ حافظ کا مذہب ـــ مرزا محمد یوسف — معارف شمارہ ۱ جلد ۸۳

+ حکیم سنائی کا سال وفات ـــ حافظ غلام مرتضیٰ — معارف شمارہ ۴ جلد ۸۸

+ حکیم سنائی کے سنین عمر ـــ سید سلیمان ندوی — معارف شمارہ ۳ جلد ۳۱

+ مثنوی لیلیٰ مجنوں (امیر خسرو) مرتبہ حبیب الرحمن خان شیروانی پر تبصرہ — معارف شمارہ ۸ جلد ۳

+ ہشت بہشت (") مرتبہ سلیمان اشرف بہاری پر تبصرہ — معارف شمارہ ۵ جلد ۳

+ خسرو ـــ سید سلیمان ندوی — معارف شمارہ ۳ جلد ۸۳

+ امیر خسرو کا تغلق نامہ اور اس کے نقاد ـــ محمد شمیم باقر رضوانی — معارف شمارہ ۵ جلد ۳۶

+ ظفر خان دورانی ـــ رشید احمد سالم انصاری — معارف شمارہ ۹ جلد ۱۲

+ رباعیات خیام ـــ امتیاز علی عرشی — معارف شمارہ ۲ جلد ۷۴

+ خوش نصیب حافظ اور بد نصیب خیام ـــ عبدالسلام ندوی — معارف شمارہ ۵ جلد ۶

+ شعر العجم اور خیام ـــ سید سلیمان ندوی — معارف شمارہ ۳ جلد ۱۳

۳ - تراجم سے متعلق نگارشات

مثلاً تحفۃ القلوب پدماوت کا فارسی ترجمہ ـــ حشمت علی — معارف شمارہ ۲ جلد ۳۵

+ نل و دمن مصنفہ شری ہرش ـــ سالک رام سری واستو — معارف شمارہ ۵ جلد ۴۵

+ ۲ کتابیں بدائع اللانع مصنفہ حکیم یوسف اور المحتمر فی المقتصر مصنفہ شیخ زید معارف شمارہ ۲۵ جلد ۶۳

وغیرہ

۳۔ عربی زبان وادب سے متعلق نگارشات عربی زبان کا شمار نہ صرف یہ کہ دنیا کی قدیم زبانوں میں ہوتا ہے بلکہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے اور ذخیرۂ الفاظ (VOCABULARY) کی خوبیوں کے سبب اس کو دنیا کی زبانوں میں خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہ دنیا کی ایک مالدار ترین زبان ہے اس لئے کہ اس کی محض ایک خوبی ذخیرۂ الفاظ ہی کو لے لیجئے جس میں اتنی بڑی گنجائش، استعداد اور قوت و استحکام ہے جو ناقابلِ بیان ہے مثلاً اونٹ ایک لفظ ہے، کسی بھی زبان کی لغت میں اس زبان کے دائرہ اثر میں پائے جانے والے کسی جانور کے لئے ایک یا دو الفاظ مل سکیں گے مگر عربی ڈکشنری میں کم و بیش پچاس الفاظ اس لفظ کے مفہوم کو ادا کرنے والے ملیں گے جو اونٹ کی مختلف عمروں اور حیثیتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب یہ تو زبان دانی کی معراج کمال ہے کہ محض ایک حقیر سے جانور کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے صاحبانِ لسانیات و ادب کو اتنے سارے الفاظ ایجاد کرنا پڑے اور ظاہر ہے اس کا اثر ادب پر بالواسطہ یا بلاواسطہ پڑتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی ادیب یا صاحبِ قلم اپنی تحریر کو اگر ایک بھی نامناسب لفظ سے ترتیب دیتا ہے تو نہ صرف یہ کہ ادب کی ساری لطافت ختم ہو جاتی ہے بلکہ وہ ایک سطحی اور غیر معیاری تحریر بن جاتی ہے۔ اس کی مثال مندرجہ ذیل لطیفے سے آسانی سے سمجھی جا سکتی ہے:

عربی میں لفظ چراغ کے لئے متعدد الفاظ ہیں اور ہر لفظ کی خوبی ہے کہ اس کا استعمال اپنے مناسب وقت کے مطابق ہوتا ہے مثلاً چراغ کے لئے دو مشہور الفاظ سراج اور مصباح عربی زبان و ادب میں عموماً استعمال ہیں لیکن دونوں اپنی ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے الگ الگ مواقع پر استعمال ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی عرب کے باشندوں سے بھی ایسی فاش غلطی ہو جاتی ہے جس کی نزاکت اور باریکی کو اس زبان کا ماہر یا اہلِ زبان ہی محسوس کر سکتا ہے۔ ایک بار ایک جاہل عرب کی شادی ایک پڑھی لکھی عرب دوشیزہ سے ہوئی۔ زفاف کی رات میں دولھا نے اپنی دلہن سے کہا "اُطفئ السراج" (چراغ بجھا دو) عربی فصاحت کے لحاظ سے وہاں پر سراج کی جگہ مصباح کہنا چاہئے تھا۔ اس جہالت کو دلہن نے شدت سے محسوس کیا اور رات بھر اس غم میں بھی روتی رہی کہ وہ ایک ایسے جاہل کے پلّے بندھی ہے جس کو اس بات کا بھی شعور حاصل نہیں کہ اطفئ السراج کی جگہ اطفئ المصباح کہنا چاہئے تھا[۱۲]

عربوں کو اپنی زبان پر ایسی قدرت اور دسترس حاصل تھی اور اس کے فن ادب پر ایسا عبور اور قادر الکلامی حاصل تھی کہ خود کو عرب یعنی صاحبِ زبان اور بقیہ عالم کو عجم یعنی گونگا گردانتے تھے۔ لیکن یہ تاریخ عرب کی ایک بے مثال حقیقت ہے کہ اسی عربی زبان میں ایک صاحبِ حسب و نسب امی شخصیت پر ایک

---

[۱۲] ذوقِ ادب — بہاؤالدین خورشید، ص ۳۱۳

ایسی آسمانی کتاب نازل ہوئی جس کے مثل بنانا تو درکنار ایک سورہ اور ایک آیت کے مثل بھی عرب کے تمام فصحا اپنی مجموعی قوت کو صرف کرکے بھی آج ۱۴ سو برس کی طویل مدت میں نہ بنا سکے ۔ ایسی بات بھی نہیں کہ کفار مکہ نے جو براہ راست قرآن حکیم کے مخاطب تھے اپنے اپنے طور پر کلام الٰہی کے مقابلے میں متبادل کلام اور مقفع و مسجع عبارت بنانے کی کوشش نہیں کی لیکن حالت یہ تھی کہ خود ان کے بچے ان کے اس خود ساختہ کلام کا مذاق اڑاتے تھے کیونکہ وہ اس علمی و ادبی معیار پر نہیں اترتے تھے جو قرآن حکیم کا اعجاز تھا ۔ حالانکہ ذوق ادب کا یہ عالم تھا کہ عربوں کے بچے اور خواتین بلکہ ان کے گھر کی کنیزیں اور غلام بھی نہایت فصیح و بلیغ زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے ۔ ان کے شعراء ایسے قادر الکلام ہوتے تھے کہ ایک ایک مجلس میں فی البدیہہ کئی کئی سو بلکہ کئی ہزار موزوں اشعار کہہ جایا کرتے تھے اور مقررین بھی اپنی آتش نوائی اور سحر بیانی کے لیے غیر معمولی شہرت رکھتے تھے لیکن کلام الٰہی کے اعجاز نے سبھوں کو بے لب و بے نوا بنا دیا ۔ خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ؐ کو زبان و ادب کے ایک ایسے معجزہ سے نوازا جو کسی زبان و ادب کو آج تک حاصل نہ ہو سکا ہے بلکہ خود عربی زبان میں قرآن حکیم کے بعد فصاحت و بلاغت اور ادبی کمالات کی بنیاد پر کوئی کلام پیش کیا جا سکتا ہے تو عرب و عجم میں سب سے اشرف اور افصح شخصیت حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام مبارکہ کو یعنی احادیث نبویہ علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کو ۔

واقعہ یہ ہے کہ مطلع انوار قدس ؐ کے ساتھ ہی دنیا کی کایا پلٹ ہو گئی ۔ تیرگی اور ظلمت کی جگہ نور اور تابناکی نے لے لی ، ایمان کی حقانیت کے سامنے کفر و شرک سرنگوں ہو گیا ۔ اسلام کی حیا پاشی نے مردہ دلوں کو پھر سے زندہ کر دیا ، بت پرستوں کے سیاہ پژمردہ چہرے نور ایمانی سے جگمگا اٹھے ، تہذیب و تمدن کے سارے اطوار بدل گئے ۔ یہ سارے واقعات آن واحد میں نہیں ہو گئے ۔ حضور اکرم ؐ سے ایک دو نہیں بلکہ چار ہزار پچاس معجزات بتدریج رونما ہوتے ہیں منجملہ سلسلۂ اعجاز فصاحت قرآنی کے جس نے دانشوران عرب کو مبہوت کر دیا ۔[15]

دراصل ابتدائے آفرینش سے ہی یہ قانون قدرت رہا ہے کہ جس زمانے میں جس فن یا ہنر و کمال میں لوگ یکتائے زمانہ اور ماہر ہوتے یا اس مروجہ فن و کمال سے لوگوں کو شغف و رغبت یا مہارت رہی ہو تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت یہی رہی کہ اس کے موجب اسی فن و کمال کے اعتبار سے اس کی مطابقت سے پیغمبروں اور رسولوں کو معجزات عطا فرما کر مبعوث فرمایا ۔ چنانچہ انبیاء و مرسلین کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی نازش بزم کائنات فخر موجودات ؐ کی بعثت سے قبل عرب میں فصاحت و بلاغت اور زبان و ادب کا بڑا شہرہ تھا ۔ اس لیے بقیہ معجزات حسی مرتبت ؐ کے سوا حق تعالیٰ شانہ نے معجزۂ قرآنی کا اظہار فرما کر اہل عرب کو اور ان کے ادبا و شعراء کو ایک کھلا چیلنج دیا گویا نزول قرآن مجید نے ان کے سر غرور فصاحت کو ختم ہی نہیں بلکہ پاش پاش کر دیا اور

---

۱۵ ۔ سیرت خیر البشر ؐ ـــ نور الدین شاذلی ص ۳۱

ان کا احساس برتری اس کلام مقدس کی حقانیت و عظمت کے آگے تہس نہس ہوگیا۔ ایام جاہلیت میں شعر و شاعری کا وہ زور و شور تھا کہ معمولی استعداد رکھنے والے بھی بلا تخصیص مرد و زن سیکڑوں اشعار رزمیہ ہوں کہ طربیہ کہہ لیتے تھے۔ ہر سال عکاظ کے مقام پر زبردست میلہ لگتا جہاں کشتی، تیر اندازی، شہسواری، شمشیرزنی اور دیگر کئی فنون کے ساتھ ساتھ انشا پردازی، خطابت اور شعر و شاعری کے مقابلے بھی ہوتے۔ گویا ہر میدان کے شہسوار اپنی اپنی قابلیت کے جوہر دکھاتے نیز ایک عظیم الشان مشاعرہ ہوتا اور جن شعراء کے قصائد بلند پایہ شیریں کلامی سے مزین و متصف ہوتے ان کو فخریہ طور پر کعبۃ اللہ کی دیوار پر آویزاں کیا جاتا جن کا مجموعہ "سبعہ معلقہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عربی ادب بیک وقت اپنی تین خوبیوں کی بدولت دوسری زبانوں پر فوقیت رکھتا ہے یعنی اختصار، طول مطلب اور حسن تشبیہ[16] زبان کی سلاست، بیان کی ندرت و چاشنی، معنوی گہرائی و گیرائی اور فصاحت و بلاغت کے اس دور جاہلیت میں بحکم خداوندی حضور اکرم ﷺ پر جب سورہ انا اعطینٰک الکوثر نازل ہوئی اور کسی نے اس کو سبعہ معلقہ کے بالمقابل آویزاں کر دیا تو شعرائے عرب کے لئے وہ ایک حیرت و استعجاب کا مقام تھا کہ درخواست کنندہ کے مطابق تین آیت کے ساتھ چوتھی آیت ہماری رباعی کی مانند تشکیل پر قدرت نہ پا سکے، وہ حیران و ششدر رہ گئے اور نتیجتاً "ما ہٰذا کلام البشر" (یہ کسی انسان کا کلام نہیں) کہہ کر اپنے اپنے قصائد اتار لئے۔[17]

عربی زبان کی لسانی اور ادبی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ معمولی سی ہیئت ترکیبی سے معنی و مفہوم یکسر بدل جاتے ہیں، یہاں تک کہ کسی لفظ میں معمولی سا ہیر پھیر بدل کرنے سے بلکہ زیر زبر کی تبدیلی سے یا کسی ایک حرف کو دوسرے حرف میں تبدیل کر دینے سے معنی و مفہوم میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں بے شمار واقعات اور مثالیں ملتی ہیں۔ مشہور عربی قصیدہ "بانت سعاد" کے مصنف حضرت کعب بن زہیر کے متعلق یہ واقعہ مشہور ہے کہ فتح مکہ کی خبر سن کر انھوں نے اپنے بھائی کو پرسش احوال کے لئے بھیجا۔ وہ مکہ پہنچ کر اپنے سابقہ مراسم اور روابط سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملے اور پھر ان ہی کے مشورے پر بلا خوف و تردد مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ کعب کو اپنے بھائی کا یوں مسلمان ہونا بڑا ناگوار گزرا۔ انھوں نے اسی غم و غصہ کے اثر سے چند اشعار اپنے بھائی کو لکھ بھیجے جن میں یہ مشہور شعر

سقاک ابوبکر بکاس رویۃ + فانھلک المامور منھا و علک (پلایا تجھے ابوبکر نے بلاہل کا پیالہ بھر آسودہ کیا تجھ کو مامور نے اس سے اور پھر

---

16 عربی زبان کی خوبیاں — عبید اللہ اعظم آبادی روزنامہ قومی تنظیم پٹنہ ۳۱ مئی ۱۹۹۰ء

17 قرآن حکیم کی معجز نمائی — ڈاکٹر وحید الزماں ص 9

مامور محاورے میں اس شخص سے مراد ہے جس سے رابطہ ہو اور جن کا امر اس کو پہونچے۔ دراصل یہ کنایہ تھا حضرت محمدؐ کی جانب، یعنی درپردہ آپؐ کی ہجو تھی (نعوذ باللہ) چنانچہ حضور اکرمؐ نے کعب بن زہیر کا خون ہدر فرمایا کہ جہاں کہیں ملیں ان کو قتل کر دیا جائے، مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ حتیٰ کہ آپؐ فتح مکہ کے بعد مدینہ منورہ تشریف فرما ہو چکے۔ اسی اثناء میں کعب بن زہیر اپنی کسی ضرورت سے مدینہ آئے۔ کیفیت یہ تھی کہ رات کو سفر کرتے اور دن میں کہیں چھپ جاتے۔ آخر ایک دن جب کہ آپؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے یکبارگی وہ مسجد میں داخل ہوئے اور با آواز بلند کہنے لگے "میں کعب ابن زہیر ہوں اور کلمہ پڑھ کر دائرۂ غلامانِ محمدی میں داخل ہو گیا ہوں"۔ حضور اکرمؐ کعب کی اس طرح آمد پر خوش ہوئے۔ اسی موقع پر کعب نے اپنا مشہور و معروف قصیدہ 'بانت سعاد' حضورؐ کی مدح میں سنایا۔ حضورؐ نے قصیدہ کے اختتام پر صلہ تحسین میں اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی[18] اور قصیدہ مذکور کے ایک شعر کی اصلاح بھی فرمائی۔ اس کے بعد آپؐ نے پوچھا کعب! ابوبکر والا شعر تیرا ہی ہے نا۔ کعب نے اپنی ذہانت سے ہجو میں کہے ہوئے شعر سے دو حروف اس طور پر بدل دیے جس سے ہجو کا پہلو ساقط ہو کر وہ مدح کا شعر بن گیا۔ اب انھوں نے کمال تیزی سے برجستہ اپنا شعر یوں پڑھا

سقاک ابوبکر بکاس رویہ + فانهلک المامون منها وعلک[19] (پلایا تجھے ابوبکر نے آب حیات کا پیالہ، پھر اس عطا کرنے والی شخصیت نے تیرے سرور کو دو چند کر دیا۔) حضور اکرمؐ کعب کی زبان دانی اور حاضر جوابی سے بہت مسرور ہوئے۔

آج دنیا کے تقریباً ۲۰۰ ممالک میں ۵۰ سے زائد ممالک کی حکومتیں مسلمانوں کے قبضے میں ہیں اور ان میں بھی ایشیا اور افریقہ کے کم و بیش ۲۰ ممالک ایسے ہیں جہاں عرب نژاد افراد کو اکثریت حاصل ہے اور جہاں کی سرکاری زبان عربی ہے۔ اس کے علاوہ تمام مسلم ممالک میں عربی زبان کی ترویج و اشاعت اور تعلیم و تعلم کے لئے لاکھوں کی تعداد میں تعلیمی مراکز اور ادارے قائم ہیں۔ دنیا کی تقریباً چھ ارب آبادی میں کم و بیش ایک ارب مسلمانوں پر مشتمل ہے، گویا دنیا کا ہر چھٹا آدمی مسلمان ہے اور جب مسلمان ہے تو عربی کا ایک جملہ یا ایک آیت بھی خواہ کلمہ کی شکل

---

[18]، [19] کعب بن زہیر — سید بہاؤالدین ص ۵۵

+ کعب بن زہیر — شاہ معین الدین ندوی معارف شمارہ ۲ جلد ۵۲

نوٹ: ۱- گویا ردیہ کو رویہ اور المامور کو المامون کر دیا

۲- حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد سلطنت میں ردائے مبارک کو حضرت کعب بن زہیر سے دس ہزار درہم حاصل کرنا چاہا لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے بال بچوں نے بیس ہزار درہم کے عوض بعد میں خلفائے بنی امیہ نے اہم موقعوں پر تبرکاً اس چادر کو زیب تن کرنے کا طریقہ اختیار کیا۔

میں ہو خواہ قرآن حکیم کی ایک آیت کی صورت میں وہ خود عربی زبان بولتا ہوگا اور جانتا ہوگا ۔ یہ اعجاز دنیا کی کسی دوسری زبان کو حاصل نہیں ۔ لیکن باوجود اس واضح حقیقت کے کہ مسلمان دنیا سے لیکر آخرت تک اس زبان سے وابستگی کا شرف رکھتے ہیں، اس لئے کہ جنت کی زبان بھی عربی ہوگی لیکن کیا واقعی عربی زبان سے مسلمانوں کو حقیقی دلچسپی اور لگاؤ ہے جیسا کہ اس کا حق ہونا چاہئے ہے ۔ دنیا کی کئی ایسی قومیں ہیں کہ اپنی زبان سے ایسی والہانہ مناسبت رکھتی ہیں کہ ہر اہم موقع پر وہ خود اپنی زبان میں ہی کلام کرنا فخر سمجھتے ہیں باوجودیکہ انھیں دوسری زبانیں بھی آتی ہیں اور باوجودیکہ انھیں ان مواقع پر دوسری زبانوں میں کلام کرنے کے لئے سہولتیں اور گنجائشیں حاصل ہیں مثلاً چین کا سربراہ جب بھی سرکاری دورے پر اپنے ملک سے باہر جائے گا تو وہ تمام اہم جلسوں کو اپنی قومی زبان میں مخاطب کرے گا اور اپنے ہم منصب شخصیتوں سے اپنی ہی زبان میں گفتگو کرے گا حالانکہ وہ انگریزی اور دوسری زبانوں سے بھی بخوبی واقف ہے ۔ اسرائیل ایک چھوٹا سا ملک ہے لیکن کئی ہزار سال پرانی عبرانی زبان کو جو اہمیت اور فوقیت اس ملک میں بلکہ اس ملک کے خاص و عام اور سرکاری و غیر سرکاری تمام حلقوں میں حاصل ہے وہ اپنی مثال آپ ہے بلکہ زبان دانی کے ماہر اور کلام الٰہی کے حامل اپنے عرب پڑوسیوں کو پڑھاتی ہے ۔ کیا انسیت زبان کی ایسی مثالیں مسلم ممالک میں بالعموم پیش کی جا سکتی ہیں اور اگر پیش نہیں کی جا سکتیں تو آخر کیوں نہیں ؟ کون سی کمی اور کون سا مسئلہ درپیش ہے ؟ کیا یہ حالات کی ستم ظریفی نہیں کہ یہود کو توراۃ کی زبان سے خصوصی مناسبت حاصل ہو اور مسلمانوں کو کلام اللہ کی زبان سے محض رسمی لگاؤ قرآن خوانی کی حد تک ہو خواہ نماز کی حالت میں خواہ جلسوں اور تقریبات کے موقعوں پر ۔ ان سطور کے لکھنے سے ہمارا مقصد عربی زبان کی اہمیت و عظمت کو ثابت کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے باشعور طبقے کو اس زبان کی ترویج و ترقی کے کام پر متوجہ کرنا نیز ان اشخاص اور اداروں کی خدمات کو سراہنا اور حوصلہ افزائی کرنا بھی ہے جنھوں نے عربی زبان و ادب کے تعارف اور اشاعت کے لئے اپنی بہترین صلاحیتوں اور وسائل کو وقف کیا اس ضمن میں معارف کی خدمات قابل قدر ہیں ۔

معارف کے حلقۂ اثر میں یا اس کے معماروں اور کارگزاروں میں جتنے بھی لوگ گزشتہ ۸۳ برس کی مدت میں آئے ان میں بیشتر شخصیتیں تو خود عربی زبان کی ماہر رہیں ۔ شروع کے دور میں مولانا شبلی، مولانا حمید الدین فراہی اور سید سلیمان ندوی جیسی شخصیتیں عربی زبان پر کامل دسترس میں عالمگیر شہرت کی مالک تھیں موجودہ دور میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت تو برصغیر اور عرب حلقوں میں محض اپنی علمی قدر و منزلت کے وجہ سے اسقدر(?) ہے جس کی مثال ہندوستان میں پیش کرنی مشکل ہے ۔ معارف کے شماروں میں عربی زبان و ادب سے متعلق مقالات اور مضامین برابر شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ معارف نے اس مقبول و محترم اور زندہ و پائندہ زبان کو اپنے حلقۂ قارئین میں مقبولیت دلانے کے لئے جو بھی کوششیں کیں وہ قابل قدر ہ

مندرجہ ذیل سطور میں ہم عربی زبان وادب سے متعلق معارف کی نگارشات کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں :

عربی تحریر کی ابتداء و ترقی ـ محمد سمیع اللہ معارف شمارہ ۲ جلد ۹۶ + عربی رسم الخط ـ شاہ معین الدین ندوی معارف شمارہ ۴ جلد
+ عربی نظم و نثر کی تاریخ ـ عبدالسلام ندوی معارف شمارہ ۶ جلد ۶۴ + خطابۃ العرب ـ عبدالسلام ندوی معارف شمارہ ۲ تا ۳ جلد ۸
+ عربی زبان کے جدید رجحانات معارف شمارہ ۲ تا ۳ جلد ۸۴ + جدید عربی ادب کے چند پہلو ـ عبدالکریم جیانوس معارف شمارہ ۴ جلد ۳
+ عربی زبان کا فلسفہ لغت ـ ابوالجلال ندوی معارف شمارہ ۳ جلد ۱۲ + مجمع مواد الاول للغۃ العربیہ ـ محمد ناظم ندوی معارف شمارہ ۲ تا ۳ جلد
+ عربی ادب کی تاریخ ـ وقار عظیم معارف شمارہ ۱ جلد ۹۶ + سمات عرب (اونٹوں کے مختلف اعضاء پر نشان) افتخار احمد اعظمی معارف شمارہ ۱ جلد ۶
+ لسان العرب ـ عبدالقیوم معارف شمارہ ۱ جلد ۵۳ + کشف المعلقات ـ سید شریف الدین احمد معارف شمارہ ۴ جلد ۴۶
+ عربی کے ہندی الاصل الفاظ (ہندی رائے دت) ـ عبدالرؤف معارف شمارہ ۶ جلد ۹۰
+ علم بدیع کا موجد ـ احتشام احمد ندوی شمارہ ۳ تا ۴ جلد ۹۳ + ابو عثمان جاحظ ـ ضیاء الدین اصلاحی معارف شمارہ ۱ جلد ۹۲
+ علامات شک و استفہام یورپ کی نہیں عربوں کی ایجاد ہیں ـ ابوالحسنات ندوی معارف شمارہ ۴ جلد ۱۳
+ بنو امیہ کے عہد میں عربی کا نثری سرمایہ ـ مسعود حسن شمسی معارف شمارہ ۱ جلد ۵۰ + قاضی رشید مولف الذخائر والتحف
ـ ڈاکٹر حمید اللہ معارف شمارہ ۵ جلد ۹۳ + عربی ادب کے ایک نایاب گنجینہ کی دستیابی : دیوان بشار
ـ بدر الدین علوی معارف شمارہ ۱ جلد ۷۵ + مصنف نقد النثر ـ احتشام احمد ندوی معارف شمارہ ۱ جلد ۹۵
+ یونانی منطق کے قدیم عربی تراجم ـ شبیر احمد غوری معارف شمارہ ۱ جلد ۸۰ + ابن المقفع کے تراجم
ـ حافظ غلام مرتضیٰ معارف شمارہ ۳ جلد ۷۹ + اغانی کا تاریخی پایہ معارف شمارہ ۳ جلد ۳۶
+ ابن رشیق : تاریخ قیروان کا ایک صفحہ معارف شمارہ ۳ تا ۵ جلد ۱۳ + اغانی کا ایک صفحہ معارف شمارہ ۵ جلد ۵۱
+ ابن رشیق : تخلیط تخلیط ـ یمین عبدالعزیز معارف شمارہ ۱ جلد ۴۲ + صاعد اندلسی ـ قاضی میاں اختر معارف شمارہ ۱ جلد ۱۶
+ شوقی ـ محمود الحق معارف شمارہ ۴ جلد ۳ + عباسی دربار کے اثرات عربی ادب و ثقافت پر ـ عبدالقیوم معارف شمارہ ۶ جلد ۳۸
+ نوح معاوضہ : احمد تیمور کے افسانوی مضمون کا ترجمہ معارف شمارہ ۳ جلد ۹۲ + سلیمان اشرف کی عربی لغت المبین پر تبصرہ
ـ صدر یار جنگ معارف شمارہ ۳ جلد ۹۲ + شرواد عجم کی عربی شاعری ـ قاضی احمد میاں اختر معارف شمارہ ۲ جلد ۲۹
+ آنحضرت ﷺ کے شعرائے کرام ـ ریاست علی ندوی معارف شمارہ ۲ جلد ۵۲ + مولانا اشرف علی تھانوی کے انتقال
پر ظفر احمد تھانوی کے عربی مرثیے معارف شمارہ ۳ تا ۴ جلد ۵۲ + کلام علی سے عربی شعراء
وادباء کا استفادہ ـ محمود حسن قیصر معارف شمارہ ۱ جلد ۸۴ + ابوالعلاء معری ـ ضیاء الدین اصلاحی
معارف شمارہ ۶ جلد ۹۳ + ابو العلاء معری اور عمر خیام ـ قاضی احمد میاں اختر معارف شمارہ ۱ جلد ۳۰ وغ

۴۔ ہندی زبان و ادب سے متعلق نگارشات معارف نے ہندی زبان و ادب سے متعلق بھی مضامین اور مقالات
شائع کرکے نہ صرف یہ کہ رواداری اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کیا بلکہ اُردو زبان کے ارتقا و فروغ کے لئے ایک ضروری اور اہم قدم
اٹھایا۔ اس لئے کہ مندرجہ ذیل حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے بہرحال ہندی زبان کی اہمیت نہ صرف اس ملک میں بلکہ اُردو زبان کے
تئیں واضح اور ثابت ہے جس سے انکار اور صرف نظر کسی بھی حالت میں ممکن نہیں۔

۱۔ بقول ڈاکٹر تارا چرن رستوگی "آزادی کے بعد کے پچاس سالہ لسانی تبدیلیوں اور طریقۂ تعلیم سے متعلق مسائل نے ہندوستانی
مسلمانوں کو اکثر و بیشتر حالات میں ہندی سے قریب اور اُردو سے دور کر دیا ہے۔ موجودہ دور کے اُردو داں گھرانوں کے طلباء
کی علمی استعداد کم سے کم اتر پردیش میں تو اُردو کے معاملے میں یا تو برائے نام یا بالکل مفقود ہوتی جا رہی ہے۔ اس صورت
حال کے پیش نظر ایک ایسے تحقیقی سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے جو گنگا جمنی تہذیب و ثقافت کی خوبیوں کو ابھار سکے۔"[۲۰]

۲۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اُردو اور ہندی دو الگ الگ زبانیں نہیں ہیں بلکہ 'ہندوستانی زبان' نام کی ایک
ہی زبان کے دو مختلف روپ ہیں تو غلط بات نہ ہوگی۔ اس لئے کہ دونوں زبانیں نسلی اور نسبی اعتبار سے اگر ایک
خاندان اور ایک ہی طرح کے اجداد سے نہیں متعلق ہیں تو کم سے کم اتنا تو ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان کے درمیان قریبی
خاندانی روابط اور تعلقات رہے ہیں جن کی اہمیت اور قدر و منزلت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ دونوں زبانوں کو بہت آسانی سے ایک دوسرے کے قالب میں ڈھالا جا سکتا ہے یا ایک دوسرے سے
الگ اور جدا بھی کیا جا سکتا ہے مثلاً سنسکرت الفاظ یا ترکیبوں کی کثرت سے مذکورہ ہندوستانی زبان کا
شدھی کرن کیا جا سکتا ہے یا عربی و فارسی الفاظ اور ترکیبوں کو فروغ دے کر اسے مشرف بہ اسلام کیا جا سکتا ہے۔
ایک تیسری صورت یہ ہے کہ نہ اس کو 'ہندوتو' (हिन्दुत्व) کی طرف زور زبردستی لیجایا جائے اور نہ بزور شمشیر
مسلمان بنایا جائے بلکہ اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ جس مذہب و ملت کو اختیار کرنا چاہے اپنی خوشی سے قبول کرے
اور اس معاملے میں اس کو اپنی پسند یا ناپسند کے مطابق سوچنے سمجھنے اور لائحہ عمل کو اختیار کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو۔
نتیجے کے طور پر ایک ایسی زبان سطح ہستی پر ابھر کر آئے جس کو آسانی سے مسلمان بھی سمجھ لے اور ہندو بھی بلکہ ہندوستان کا کوئی بھی
شہری اور کسی بھی مذہبی فرقہ کا آدمی سمجھ لے اور اپنی محفل میں جگہ دینے کے لئے تیار ہو جائے۔ ایسی زبانیں ہندی یا اُردو
کے رسمی لیبل کے ساتھ بولی اور سنی تو جا رہی ہیں مگر اپنے ملک کی حدود میں کم اور غیروں کی محفلوں میں زیادہ مثلاً
بی بی سی لندن، وائس آف امریکہ، وائس آف جرمنی اور دوسرے غیر ملکی ذرائع ابلاغ جنوبی ایشیائی باشندوں کے لئے
اُردو اور ہندی دونوں میں پروگرام پیش کرتے ہوتے ہیں لیکن دونوں پروگراموں میں لسانی ترکیبوں کا ایسا اشتراک

۲۰۔ مضمون 'اُردو کی مقبولیت بڑھ رہی ہے یا معدوم ہو رہی ہے' ڈاکٹر تارا چرن رستوگی روزنامہ آواز ملک ۹ اکتوبر

ہوتا ہے کہ دونوں زبانوں کے سامعین کے حق میں قابلِ قبول اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ عالمی ذرائع ابلاغ اُردو اور ہندی کے رسمی ناموں سے جن زبانوں کو رواج دے رہے ہیں وہ ایسی ہیں، آسان اور زودفہم ہوتی ہیں جن کے پروگراموں کو برصغیر کے مختلف ممالک میں نہ صرف یہ کہ پسند کئے جاتے ہیں بلکہ بہ رضا و رغبت قبول بھی کئے جاتے ہیں بلکہ اِسی روش پر اُردو اور ہندی زبانوں کی ترکیبوں اور آمیزش سے بنی ہیں، سریع السیر اور مقبول خاص و عام زبان خود 'آکاش وانی' (आकाशवाणी) نہیں بول پاتی ہے یا نہیں بولنا چاہتی۔[21]

۴۔ اگر ہندی اور اُردو کو دو علیحدہ اور واضح زبانوں کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے تو ہندی کے ہزاروں الفاظ اُردو میں بھرے ہوئے ہیں اور اُردو کے بھی سیکڑوں الفاظ ہندی کی زینت بنے ہوئے ہیں، دونوں ایک دوسرے کے احسانات سے سبکدوش نہیں ہو سکتے اور دونوں اپنی اپنی لغات اور کتابوں سے ان الفاظ اور ترکیبوں کو نکال نہیں سکتے بلکہ لسانیات کے موضوع پر کوئی بھی طالب علم محاورات، ضرب الامثال اور حکایات وغیرہ کا مطالعہ کرتا ہے یا ان زبانوں میں ترتیب شدہ امتحانی پرچوں کو حل کرتا ہے تو تقریباً ایک جیسا مواد اور ایک جیسے مضامین سے اس کو سابقہ پڑتا ہے جو لسانیات کی وحدت و مماثلت پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے لئے کافی ہے۔ اگر دونوں میں واضح فرق ہے تو صرف رسم الخط کا جو خصوصی طور پر ایک دوسرے کے درمیان پہچان کرنے اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کرانے میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

۵۔ ہندی زبان کے ماہرینِ فن اور مقتدر فنکاروں میں مسلمان شعراء اور ادیبوں کے نام کثرت سے آتے ہیں مثلاً ملک محمد جائسی، رس خان، عبدالرحیم خانخاناں، سید مبارک علی بلگرامی وغیرہ اور اُردو کے فنکاروں میں بے شمار ہندو، سکھ، عیسائی اور انگریزوں کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ منشی پریم چند، کرشن چندر، کنھیا لال کپور، راجندر سنگھ بیدی، ظفر پیامی، خوشتر گرامی، فکر تونسوی وغیرہ کون سی زبان بولتے اور لکھتے تھے۔ پنڈت جواہر لال نہرو، ڈاکٹر راجندر پرشاد، پنڈت ہردے ناتھ کنزرو، پنڈت آنند نرائن ملاّ کس زبان سے والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ فورٹ ولیم کالج کے سربراہ جان گلکرائسٹ اور دیگر ذمہ داروں کی خدمات کو لسانیات کے کس گروپ میں جگہ دی جائے۔ کوئی بھی مشاعرہ یا कवि सम्मेलन دونوں انداز کے فنکاروں کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ موجودہ ذرائع ابلاغ و ترسیل میں بھی ایک دوسرے کے اشتراک کے بغیر چارہ کار نہیں۔ دونوں زبانوں کے فنکار جو در دروازوں سے ایک دوسرے کے علم و فن کی خوشہ چینی کرتے نظر آتے ہیں اس لئے کہ دونوں کی حیثیت لازم و ملزوم کی سی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کھلے دل سے اور واضح الفاظ میں ایک دوسرے سے استفادے اور اکتساب کے لئے ذہن کے دریچوں اور فن کے دروازوں کو کھلا رہنے دیا جائے اور ہر جانب فن کو

---

[21] اداریہ روزنامہ آوازِ ملک، بنارس ۲ مارچ ۱۹۹۸ء

ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقع دیا جائے۔ اس ضمن میں جو بھی غلط فہمیاں اور بدگمانیاں پیدا ہوگئی ہیں ان کو ہٹایا جائے اور ختم کیا جائے اور رجوع عام اور سہل افہام و تفہیم کی راہیں استوار کی جائیں۔ دونوں ہی کے پاس زبان و ادب کا بیش بہا خزانہ موجود ہے اور دونوں کو بڑی حد تک ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت بھی حاصل ہے۔ ہم دوسری زبانوں سے استفادہ کر سکتے ہیں اور انھیں اپنی علمی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ٹٹول سکتے ہیں اور کھنگال سکتے ہیں، ہم اغیار کی تہذیب و تمدن اور ثقافت کو اپنا سکتے ہیں تو پھر اپنے ہی پاس پڑوس کی بکھری ہوئی دولت سے کیوں نہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ دراصل ہمیں سمجھوتے (COMPROMISE) کی خو بو پیدا کرنی ہوگی، ہمیں ٹکراؤ، الجھاؤ اور دشنہ سانیوں سے دور بھاگنا ہوگا، ہمیں مفاہمت کا مزاج بنانا ہوگا، ہمیں مثبت پہلوؤں کو اپنانا اور اجاگر کرنا ہوگا اور منفی پہلوؤں سے گریز اور احتساب کی عادت ڈالنی ہوگی، ہمیں اپنے دشمن کو بھی گلے لگانا ہوگا تب ہی ہر سطح پر روشنی پیدا ہوگی، ہر زاوئے سے نور کی کرنیں پھوٹیں گی۔

معارف نے شروع سے مثبت اور تعمیری ذہن کو اپنایا، الجھاؤ سے گریز اور مفاہمت کو اختیار کیا، ہر صحت مند رجحان کی حمایت اور حوصلہ افزائی کی اور ہر منفی اور دور از کار طور طریقوں سے اجتناب کیا، نہ صرف یہ کہ پھولوں سے اپنے دامن کو آراستہ کیا بلکہ کانٹوں سے بھی نباہ کرکے راہوں کو استوار کیا۔

معارف نے ہندی زبان و ادب سے متعلق بعض نگارشات کو وقتاً فوقتاً اپنے موقر جریدے کی زینت بنایا ہے اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں :

کبیر داس — معارف شمارہ ۳ جلد ۴

+ پدماوت کا مصنف کون تھا — سعید انصاری — معارف شمارہ ۵ جلد ۳۳

+ بھارت کا ایک عدیم المثال شاعر : سید مبارک علی بلگرامی — شفیقت الحسن — معارف شمارہ ۱ جلد ۸۶

+ ہندی کے چند مسلمان شعراء — نذیر احمد — معارف شمارہ ۶ جلد ۸۳

+ ہندی ادب کا دور جدید — گوری سرن سری واستو — معارف شمارہ ۶ جلد ۹۴

+ ہندی شاعری کا ایک تاریخی جائزہ — زین العابدین جعفر رضا — معارف شمارہ ۱ جلد ۹۶

+ لفظ ہندی کی تحقیق اور اس کی شاعری پر ایک نظر — "الفا" — معارف شمارہ ۴ تا ۶ جلد ۹۵

وغیرہ۔

۵۔ ترکی زبان وادب سے متعلق نگارشات اردو زبان پر جن زبانوں کے گہرے اثرات ہیں ان میں کسی حد تک ترکی زبان کا بھی اثر ہے اس لئے کہ ایشیائے کوچک (ASIA MINOR) سے آنے والے فاتحین اور اشخاص کی زبان ترکی بھی رہی ہے، بالخصوص منگول نسل کے حکمرانوں کا تعلق نسبی ترکی کے علاقوں سے بھی تھا اور جن زبانوں کے سمجھنے اور بولنے والے یہ لوگ تھے ان میں سے ایک ترکی زبان بھی تھی۔ خود اردو بھی ترکی زبان کا ہی لفظ ہے جس کے معنی 'لشکر' کے ہیں۔ [۳۲] اس لئے کہ اردو زبان نے پہلے پہل فوجیوں اور لشکریوں کے درمیان نشو و نما پائی تھی۔ ترک امراء وسلاطین کی سپاہ میں سب سے پہلے اس زبان کو فروغ اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ برصغیر میں ایک زمانہ سے غیر مسلم اقوام مسلمانوں کو لفظ 'ترک' سے تعبیر کرتی رہیں اور آج بھی ڈھکے چھپے لفظوں میں برادران وطن کا رجعت پسند طبقہ انھیں ترک ہی سمجھتا ہے۔ ترکی زبان وادب کا مطالعہ بھی اردو شائقین فن کے لئے نیا اور تعجب خیز نہیں ہے بلکہ فن لسانیات کی ایک ضرورت اور تقاضہ ہے۔ ترکی سے ہندوستانیوں بالخصوص ہندوستانی مسلمانوں کا خونی اور روحانی رشتہ بھی روایتی انداز میں قائم رہا، خاص طور پر خلافت عثمانیہ کے دور میں یا اس دور میں جبکہ استعماری طاقتیں سلطنت عثمانیہ ترکی کو توڑنے کی سازش کر رہی تھیں۔ اس وقت برصغیر میں 'تحریک خلافت' کے نام سے بڑا جوش وخروش رہا۔ پھر ترکی کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں اس ملک کے ادیب اور فنکار ہندوستان کا دورہ کرتے ہے مثلاً خالدہ ادیب خانم وغیرہ اور یہاں کے دانشوروں سے رابطہ باہمی بھی قائم رہا۔ الغرض ترک ہند تعلقات کے تناظر میں ترکی زبان وادب کو نہ تو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور نہ اس سے بے تعلقی برتی جاسکتی ہے۔

معارف کی یہ خصوصیت اور کارنامہ ہے کہ اس نے اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے علم وادب پر بھی تحقیقاتی مقالات شائع کئے۔ اس ضمن میں ترکی زبان وادب کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے اور اس سلسلہ میں چند نگارشات کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

ترکی شعر وادب — نقی جاویدی معارف شمارہ ۲ جلد ۱ + ترکی ادبیات کے مختلف ادوار — ریاست علی ندوی معارف شمارہ ۶ جلد 19

+ ترکی ادبیات کا نیا رجحان — محمود علی خان معارف شمارہ ۳ جلد ۶۴

+ ترکی اور اردو کی مماثلت — اسلم چنگیزی معارف شمارہ ۸ جلد ۸۸

+ ترکی زبان وادب — یگانہ راہی معارف شمارہ ۳ جلد ۳۳ وغیرہ

---

۳۲ دیباچہ داستان زبان اردو — ڈاکٹر شوکت سبزواری انجمن ترقی اردو پاکستان ۱۹۶۰ء

۱۔ صحافتی خدمات اور نگارشات

برصغیر میں اردو صحافت کی تاریخ کو آسانی سے سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل ادوار میں بانٹا جا سکتا ہے :

i ۔ سرسید کے 'تہذیب الاخلاق' (علی گڑھ) سے لیکر وحیدالدین سلیم کے 'معارف' (حیدرآباد) تک

ii ۔ ندوۃ العلماء کے 'الندوہ' (لکھنؤ) سے لیکر دارالمصنفین شبلی منزل کے 'معارف' (اعظم گڑھ) تک

iii ۔ دارالمصنفین کے "معارف" کی اجراء جولائی ۱۹۱۶ سے لیکر آج تک (جون ۱۹۹۹ء)

اول الذکر ادوار تقریباً ۲۵ برس پر محیط ہیں جو اردو صحافت کے ارتقائی مدارج کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ موخر الذکر دور عروج کے منازل طے کرنے والا اور منتہائے عروج تک پہونچنے والا ہے ۔ بقول ڈاکٹر عابد رضا بیدار "معارف جب نکلا تھا تو زمانہ (کانپور)، الناظر (لکھنؤ)، نقاد (آگرہ) اور مخزن (لاہور) کے سوا کوئی قابل ذکر رسالہ موجود نہ تھا اور ان میں بھی الناظر کے سوا بقیہ تمام رسائل کا سرمایہ تمام تر ادبیات پر مشتمل تھا ۔" [۲۳] لیکن یہ حقیقت ہے کہ اردو صحافت کی دنیا میں 'معارف' ایک ایسا خوش قدم وجود ہے جس کی ولادت باسعادت کے ساتھ ساتھ اردو صحافت کی خزاں دیدہ بہار لوٹ آئی اور روز بروز سرسبزی و شادابی کا ورود مسعود نظر آنے لگا ۔ ہر طرف علمی و ادبی ذوق و شوق کی ہماہمی دکھائی دینے لگی ، ہر پہلو سے جذبات و احساسات کی گرم بازاری کو فروغ حاصل ہوا ، نظم و نثر کو نئے طرز نئی ادائیں نئے اسلوب ودیعت ہونے لگے ۔ الغرض ہر زاویے اور سطح پر صاف ستھرا علمی و ادبی ماحول پیدا ہوا اور سابقہ آلودگیوں اور کسافتوں سے نجات حاصل ہوئی ۔ جمود و خمود کا دور رخصت ہوا ، علم و ادب کو مشاطہ گری کے جملہ ماہرانہ لوازم حاصل ہوئے ۔

معارف نے جس طرح تصنیف و تالیف کے معیاری کاموں کے لئے معتدل و مستحکم راہوں کو استوار کیا اسی طرح ادارت و صحافت کے میدان میں بھی پورے عزم و ہمت کے ساتھ باوقار و باوقعت انداز میں پیش رفت حاصل کی ۔ آئندہ جب کبھی اردو صحافت کی تاریخ مرتب کی جائے گی معارف کو صحافت کے شاہراہ کے ایک اہم سنگ میل کی حیثیت سے دیکھا جائے گا ، صحافت کے بحر ذخار کے درخشاں مینارۂ نور سے تشبیہ دی جائے گی اور آسمان صحافت کے چمکدار ستارے سے تعبیر کیا جائے گا ۔

معارف کے چار مقتدر مدیران اعلیٰ ، معاون مدیروں اور مجلس ادارت کے ذمہ داروں کو ہی

---

[۲۳] اشاریہ معارف کا پیش گفتار ــ عابد رضا بیدار

لے لیجئے، ان میں سے ہر شخص صحافت کے میدان کا مرد اور قلم پر بھرپور قدرت رکھنے والا دکھائی پڑتا ہے بطور مثال سید صباح الدین عبدالرحمٰن ہی کی شخصیت کو لے لیجئے۔ تصنیف و تالیف، تاریخ و تحقیق تو ان کا اصل میدان تھا ہی لیکن بطور مدیر معارف وہ صحافت کی دنیا کا ایک نادر و نایاب ہیرا، اردو صحافت کے گجرے کا ایک تر و تازہ پھول ہی تو تھے۔ بقول شخصے عجب کیا شخص تھا جو زیر زمیں جا کے بس گیا۔ کسی بھی ملک میں اور مقام پر، کسی بھی اسٹیج اور STAGE پر، کسی بھی جلسہ، سیمنار، کانفرنس، PRESS CONFERENCE کو اپنے فاضلانہ اور فنکارانہ کمال کے ساتھ مخاطب اور متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ ایک فرد نہیں تھے، ایک انجمن، ایک مجلس، ایک تنظیم، ایک روایت ایک دور تھے۔ یہ ان کی جاذب نظر شخصیت تھی کہ جب دارالمصنفین کا سفینہ ہچکولے کھا رہا تھا اور ارباب حل و عقد کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اسلاف کے اس گراں مایہ تنظیم کو اقتصادی بحران کے چنگل سے نجات دلائیں وہ نہایت پُروقار انداز میں پڑوسی ملک سے ایک ایسی خطیر رقم وصول لائے جس کا عام حالات میں اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ پاک ملک کے ناشروں کی ناپاک خیانت کو کمال اداکاری کے ساتھ خود ان ہی کی حکومت کے سر تھوپ کر اپنے ادارے کا حق الخدمت لے آئے جس کی دستیابی کے بعد نہ صرف یہ کہ اس مریض کے تن ناتواں میں جان پڑ گئی بلکہ آج تک غذا اور دوا کی حصولیابی کا ذریعہ اور وسیلہ بنا ہوا ہے۔ یاد رکھئے افراد ہوں یا حکومت، کسی کی قدر دانی بے معنی طور پر نہیں کیا کرتی۔ کسی شخص کے گرد قدر دانوں کا جو مرجوعہ ہوتا ہے وہ اس کے گوشت و پوست کی بو باس کے وجہ کر نہیں بلکہ اس کے کمالات کی خوشبو کی بنا پر ہوا کرتا ہے۔ یہاں پر میرا مقصد سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی ثنا خوانی ہرگز نہیں بلکہ اس حقیقت کا اعتراف اور اظہار ہے کہ موقر جریدہ معارف نے اپنے حلقۂ سخن میں، اپنی آغوش تربیت میں اور اپنے دائرۂ اثر و رسوخ میں ایسے ادیبوں اور صحافیوں کے سلسلۃ الذہب کی تشکیل کی جو اردو صحافت کی تاریخ میں اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہیں۔ بلکہ سید سلیمان ندوی، شاہ معین الدین ندوی، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، مولانا ضیاءالدین اصلاحی، مولانا عبدالماجد دریا بادی، مولانا عبدالسلام قدوائی، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہ ایک ایسی جماعت کے اراکین ہیں جن میں سے ہر شخص منفرد خصوصیات کا حامل، فن تحریر کا بادشاہ، اقلیم سخن کا حکمراں نظر آتا ہے۔ معارف کی صحافت کو جلا بخشنے میں ان حضرات کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔

معارف کی صحافت نے فکر و فن کے نئے چراغ روشن کئے، محرومیوں کے احساسات کو اگر مٹایا نہیں تو ابھرنے بھی نہیں دیا۔ چاک دامنوں کو رفو کیا، دشتوں اور سناٹوں کو دور کیا، علم و ادب کو نئے جہتوں

سے آشنا کیا اور سلیقہ و قرینہ عطا کیا، اردو صحافت کو عالمی صحافت کی مجلس میں باوقار نشست دلانے میں ایک مخصوص کردار ادا کیا۔ مختصر یہ کہ علم و ادب کی آبرو رکھی اور حق کو حقدار تک لجافیت و بحفاظت پہونچایا۔ گرتوں کو سنبھالا، متوطیت اور رجائیت میں توازن پیدا کیا، نیک مشورے دئے، غلطیوں کی نشاندہی کی اور بے باک و ایماندارانہ صحافت کی حوصلہ افزائی کی یہ خصوصیت معارف کا اپنا حصہ اور اپنی روایت بن چکی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر نئی نسل اپنے پیش رو کے نقوش پا کو برقرار رکھنے کی ہر ممکنہ کوشش کرتی ہے اور ایک ایسا تنظیمی و تربیتی نظام قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ ایک ہی شخصیت میں علم و فن کے تمام جواہرات کو اس طرح سمو دیا جائے کہ وہ بیک وقت مقرر بھی ہو، مصنف بھی ہو اور صحافی بھی ہو۔

فن صحافت پر معارف کی نگارشات کی چند مثالیں مندرجہ ذیل سطور میں پیش کی جاتی ہیں:

۱ - صحافت یا جرنلزم — شاہ معین الدین ندوی — معارف شمارہ ۲ تا ۴ جلد ۳

۲ - اردو صحافت کا ارتقاء — سید ابوالعاصم — معارف شمارہ ۴ تا ۵ جلد ۵۰

۳ - اخبار الاخیار — خواجہ احمد فاروقی — معارف شمارہ ۵ جلد ۶۷

۴ - دہلی اردو اخبار مصنفہ سجن لال — مرزا صادق — معارف شمارہ ۱ جلد ۶۸

۵ - جام جہاں نما — مرزا صادق — معارف شمارہ ۱ جلد ۶۷

۶ - اردو کا سب سے پہلا اخبار — حامد اللہ افسر — معارف شمارہ ۴ جلد ۶۷

۷ - اردو کا پہلا اخبار — خواجہ راحت حسین اکبرآبادی — معارف شمارہ ۴ جلد ۶۷

۸ - ہندوستان میں انگریزی صحافت — عبدالرزاق — معارف شمارہ ۵ جلد ۲۷

۹ - حیدرآباد دکن کے اردو اخبارات و رسائل — تمکین کاظمی — معارف شمارہ ۳ تا ۵ جلد ۳۹

۱۰ - اسلامی دنیا کے اخبار و رسائل — محمد یعقوب — معارف شمارہ ۲ جلد ۴۰

۱۱ - ایران کی موجودہ صحافت — معارف شمارہ ۳ جلد ۳۲

۱۲ - کلکتہ کے ابتدائی فارسی اخبارات — برجیندر ناتھ بنرجی — معارف شمارہ ۶ جلد ۲۴

۱۳ - تاریخ نثر اردو پر تبصرہ کے ذیل میں مدراس اور جنوب کے اخباروں کی تفصیل — نصیر الدین ہاشمی — معارف شمارہ ۳ جلد ۲۷

۲۔ معاصر اخبارات و رسائل پر تبصرے

ایسے اخبارات و رسائل جو معارف کے مبصر کی میز پر پیش کیے گئے اور معارف کے نقد و تبصرہ کی کسوٹی پر پرکھے گئے یا اس کے مبصر کی قیمتی آراء اور مشوروں سے نوازے گئے ان کی تعداد ہزاروں سے تجاوز کر چکی ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ باب التقریظ والانتقاد کے تحت ہر سال کم از کم دو بار اردو کے نئے رسائل اور خاص شماروں پر تبصرہ معارف کی روایت رہی ہے۔ صرف اسی عنوان کی روشنی میں اس عہد کے بے شمار رسائل و جرائد کی ایسی فہرست تیار کی جا سکتی ہے جن کے وجود کا علم شاید کسی اور ماخذ سے حاصل ہونا بہت دشوار ہے۔

معارف کے زیر تبصرہ اخبارات و رسائل کے اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ علمی و ادبی اخبارات و رسائل — صرف دہلی، لاہور، علی گڑھ اور حیدرآباد وغیرہ جیسے شہروں کو ہی لیجیے جو اخبارات و رسائل کی اشاعت و طباعت کے لیے خصوصی شہرت رکھتے ہیں اور علمی و ادبی ذوق و شوق کے حامل سمجھے جاتے ہیں ان ہی کی تعداد اتنی زیادہ ہے، کجا مجموعی اعتبار سے علمی و ادبی اخبارات و رسائل زیر تبصرہ کو شمار کرنا۔

۲۔ غیر معمولی شہرت و اہمیت کے حامل اخبارات و رسائل — یعنی ایسے اخبارات و رسائل جن سے عام طور پر اردو داں حضرات متعارف ہیں اور جو ملک گیر یا عالمگیر شہرت کے مالک ہیں اور جن میں سے بیشتر کا تعلق برصغیر ہند و پاک سے ہے۔

۳۔ اردو کے علاوہ دوسری زبانوں کے اخبارات و رسائل — یعنی انگلش، عربی، فارسی، پشتو، ہندی وغیرہ زبانوں میں چھپنے والے اخبارات و رسائل خواہ ملکی ہوں یا غیر ملکی۔

۴۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور برادریوں سے تعلق رکھنے والے یا دیگر مذاہب و اقوام سے تعلق رکھنے والے اخبارات و رسائل

۵۔ مذہب و تصوف سے متعلق اخبارات و رسائل۔ ۶۔ طبقہ نسواں سے متعلق رسائل

۷۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے متعلق اخبارات و رسائل بالخصوص طب، صنعت و حرفت، زراعت، تجارت اور اقتصادیات کے موضوعات سے متعلق

۸۔ بچوں کے رسائل بالخصوص نوعمر و نوخیز طلبا کی اصلاح و تربیت کے لیے اور ان کی علمی صلاحیت کو ابھارنے کے لیے اور ان کے اندر تعلیمی ذوق و شوق پیدا کرنے والے رسائل۔

۹۔ کالجوں اور دانش گاہوں سے متعلق جریدے اور میگزین اور خصوصی نمبر

۱۰۔ منفی انداز فکر کے حامل اخبارات و رسائل مثلاً انگریزوں کے بہی خواہ اور تحریک آزادی کے مخالف، ہندو دہشت پسندوں کے بہی خواہ اور مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہونچانے والے، صحیح العقیدہ مسلمانوں کے درپے آزار اور ان کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑنے والے، حکومت وقت کی چاپلوسی اور دلالی کرنے والے، ابن الوقت مسلمانوں کے موقف کی ترجمانی کرنے والے، جن کا بنیادی مقصد ہندو مسلمانوں کے اختلافات کو ہوا دینا ہے۔ وغیرہ

۴ معارف کی شعر و شاعری

۱- اردو شاعری

مولانا عبدالسلام ندوی نے 'شعر الہند' حصہ اول میں اردو شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے دور میں شعرائے قدیم کے تاریخی انقلابات اور تغیرات ظاہر کئے ہیں۔ دوسرے میں متوسطین شعراء میں لکھنو کی شاعری کے آغاز، دلی اور لکھنو دو الگ الگ اسکولوں کی خصوصیات اور اس دور کے اساتذہ و تلامذہ کی شاعری پر بحث و تنقید اور مقابلہ پیش کیا ہے۔ تیسرا دور شعرائے متاخرین کا ہے جس میں شعرائے لکھنو کی شاعری کے انقلابات کا تفصیلی بیان ملتا ہے۔ چوتھا دور جدید شعراء کا ہے جس میں شعرائے حال کے کارناموں کا ذکر ہے[24]

معارف کے صفحات میں مندرجہ بالا چاروں ادوار کے شعرائے اردو کے کلام پر تنقیدی جائزے بھی ملتے ہیں اور ان کے کلام کے نمونے بھی۔ معارف نے شعر و شاعری کی دنیا میں نئی جوت جگائی۔ اساتذہ کے کلام پر نقد و جرح کا کام اپنے مخصوص انداز نگارش کے مطابق اور اپنی مخصوص کسوٹی اور پیمانے کے ذریعے کیا۔

کبھی غالب کی زبان میں LUST OF LIFE کے رموز کو آشکار کیا جاتا ہے اور ہوا و ہوس کے قید و بند سے آزادی کی بات کی جاتی ہے

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل + زنہار اگر تمہیں ہوسِ نائے و نوش ہے
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو + میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے
ساقی بجلوہ دشمنِ ایمان و آگہی + مطرب بہ نغمہ رہزنِ تمکین و ہوش ہے
یا شب کو دیکھئے تو ہر گوشۂ بساط + دامانِ باغبان و کفِ گل فروش ہے
یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں + نے وہ سرور و ساز نہ جوش و خروش ہے
داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی + اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

اور کبھی غالب کے مشہور شعر مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو + اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہئے پر عظیم شاعر کی نارسائی اور بے بسی کا ماتم کرتے ہوئے شعر و ادب کی دنیا میں ایک مکمل اور ABSOLUTE - UNIT کے حصول کی بات کی جاتی ہے لمحوں کے وصل سے مجھے ملتا نہیں سکوں + اک رابطہ باہمی مجھے دن رات چاہئے

خمریات کی دنیا میں بھی معنی آفرینی کی بہترین مثالیں اپنے پاکیزہ ادبی ذوق کے مطابق ہی پیش کی جاتی ہیں

---

[24] دبستانِ شبلی کے نامور انشا پرداز ـــــ اثر انصاری ص ۱۳۹

ریاض خیرآبادی کے مخصوص لہجے میں — یہ سن کے نصف شب کو در میکدہ کھلا + مانگی ہے اک بزرگ تہجد گزار نے

حفیظ جالندھری کی ندرت بیان کے ساتھ — پیش خدا چلا ہوں فرشتے ہیں ساتھ ساتھ + ساغر لئے ہوئے کوئی مینا لئے ہوئے

اکبر الہ آبادی کی ظرافت خیال کو پیش کرتے ہوئے — ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا + یا دن کو بھلا دینا یا دیں کو مٹا دینا

مخمور دہلوی کے مخصوص لہجے میں — کوئی خم کے خم ہے پئے ہوئے کوئی ایک جام کا منتظر + ترے رند پھر بھی ہیں مطمئن ترے میکدے کے نظام سے

شفیق بریلوی کی پُرامید نگاہوں کے ساتھ — مرے ساقی کو نظریں اٹھانے تو دو + جتنے خالی ہیں سب جام بھر جائیں گے ۔

دورِ حاضر کے شعراء کی دنیا میں :

جذبۂ عشق کی نیرنگیاں اللہ اللہ + کوئی سردار ہوا کوئی سر دار ہوا
زلفِ پیچاں سے کوئی آج تک آزاد نہیں + جو بھی سلجھانے گیا وہ ہی گرفتار ہوا
بزمِ کونین سے ظلمت کو مٹایا جس نے + وہ مجاہد ہوا، غازی ہوا ابرار ہوا

اقبالیات کی دنیا میں :

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے + جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے
مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن + نہ سیرِ گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے
رہے گا وادیِ نیل و فرات میں کب تک + ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے
نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو + ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے
نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُرسوز + یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے
مرے گلو میں ہے اک نغمۂ جبرآشوب + سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لئے ۲۵

شبلیات کی دنیا میں :

۱۔ دو سو نذر ہیں یہ لعل و گہر تھوڑے سے + اشک خوں تھوڑے سے اور لخت جگر تھوڑے سے
۲۔ خوب وقت آئے نکیرین جزا دے گا خدا + ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
۳۔ کون اس راہ سے گزرا ہے کہ ہر نقش قدم + چشم عاشق کی طرح اس کا تماشائی تھا
گنبد تیرہ میں کیا عالم تنہائی تھا + یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا
۴۔ مجھ کو لیجائے مری آنکھ وہاں + اک تماشہ سا دکھا لائی ہے
آہ کو سوئے اثر بھیجا تھا + واں سے کیا جانے کیا لائی ہے
شبلی زار سے کہدے کوئی + مژدۂ وصل صبا لائی ہے ۲۶

سلیمانیات کی دنیا میں :

۱۔ انھیں کے دینے سے ملتا ہے سب کو ملتا ہے + وہی نہ چاہیں تو کوشش کوئی ہزار کرے
تری نظر میں ہے تاثیر مستیٔ صہبا + تری نگاہ جسے چاہے بادہ خوار کرے
تری نگاہ میں دونوں خواص رکھے ہیں + وہ چاہے مست کرے چاہے ہوشیار کرے

۲۔ ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں + وہ ایک قطرہ خون جو رگ گلو میں ہے
ذہن میں تیغ کے ہے اب بھی تشنگی باقی + عجیب لذت پنہاں ترے لہو میں ہے
ہے کائنات کا ہر ایک ذرہ گردش میں + پتہ جو مل نہ سکا تری جستجو میں ہے

۳۔ دست نازک سے اٹھاتے ہیں وہ میت مری + بعد مرنے کے ٹھکانے لگی محنت مری
چین سے بیٹھنے دے گی نہیں ہم دونوں کو + تجھ کو یہ شوخی تری مجھ کو یہ وحشت مری
چاہے تم آج نہ ہو میری وفا کے قائل + پر تمھیں یاد کبھی آئے گی الفت مری ۲۷

خلاصۂ کلام کے طور پر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے کہ معارف نے زبان و ادب اور شعر و شاعری کی دنیا میں محبت بھی کی، ہجر و فراق کے صبر آزما لمحات بھی کاٹے، وصل کی لذت سے بھی ہمکنار ہوئے، پینے پلانے کا بھی شغل رکھا، رقص و سرود کی مجلسیں بھی منعقد کیں، ساقی سے نگاہیں بھی چار کیں اور خم کے خم بھی لنڈھائے مگر یہ حقیقت ہے کہ اس کے جذب پر ہوش غالب رہا۔ اس نے جو کچھ بھی حرکت عمل پیش کی ایمان و یقین کی مشعل اور جرأت و ہمت کا تیشہ ہاتھ میں لیکر کی۔ دنیا کو آفاقی پیغام دیا خود شناسی اور خدا شناسی کا۔ اپنے آپ کو ٹٹولنے، تلاش کرنے، سمجھنے اور اس سے کام لینے کا، اپنے آپ سے ملنے اور ملاقات کرنے کا، نہ کہ اپنی طرف سے بے فکر اور بے خبر رہنے کا، دوسروں کو جگنے جگانے اور ان کے اندر ذہنی بیداری اور نفسیاتی شعور پیدا کرنے کا۔ فن سے متعلق نزاکتوں اور لطافتوں سے محظوظ ہونے کا، فن کی باریکیوں اور موشگافیوں سے متعارف ہونے کا، زبان و ادب کے اسرار و رموز کو سمجھنے کا، شعر و نغمہ کی ناگواریوں اور ناخوشگواریوں سے گریز کا، نوائے سرمدی کو سننے اور حیات ابدی کے پیام کو اپنانے اور اختیار کرنے کا۔ مختصر یہ کہ بحیثیت انسان اور بحیثیت مسلمان حقوق کی ادائگی اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا۔ نہ صرف یہ کہ اس نے جذب و جنوں کے آداب سکھلائے اور فراق و وصل کی جداگانہ کیفیتوں کی سنجیدگی اور سرشاری کو برقرار رکھا بلکہ اردو زبان و ادب کی

دنیا میں شعر و شاعری کے خد و خال کو سنوارنے اور ابھارنے والے ایسے ذوق اور معیار کو پیش کیا جو بقول کاظم علی خودی و خود شناسی کے رموز کو سمجھانے والی، طلب صادق کو ابھارنے والی، ہمت مردانہ کو جگانے والی، انسانیت کو سروری کے منصب پر فائز کرنے والی، آئین ملوکیت کو سکھانے والی، عہد حاضر کی فسوں کاریوں کی نشان دہی کرنے والی، نفس کی لغزشوں اور کوتاہیوں سے خبردار کرنے والی، رجائیت اور قنوطیت کے توازن کو برقرار رکھنے والی، مدارس و خانقاہوں کی بدنامیوں کو طشت از بام کرنے والی، سیاست حاضرہ کی عیاریوں اور فتنہ سامانیوں پر شدید نکتہ چینی کرنے والی، اقلیم عشق کی فرماں روائی بخشنے والی، فقر و غنا کے راز بتانے والی اور افراد و اقوام کے عروج و زوال کے اسباب کی عقدہ کشائی کرنے والی ہے۔

شعر و شاعری کی دنیا میں معارف "ایک نئے" دور کا نقیب اور اپنی مخصوص طرز ادا کا موجد ثابت ہوا۔ تقریباً ایک صدی کی طویل مدت میں اپنے جادۂ اعتدال پر ثابت قدم، اپنے طرز و اسلوب پر مستقیم الاحوال ثابت ہوا۔ اپنی اداؤں کی سحر انگیزیوں اور جدت طرازیوں کو برقرار رکھنے میں سرخرو ثابت ہوا۔ معارف نظم و نثر دونوں سطح پر صالحانہ معاشرہ اور صحت مند ماحول کی نشو و نما اور فروغ کے لئے کوشاں رہا اور شعر و سخن کے حلقہ اصناف میں منفرد و مخصوص مقام کا حامل ثابت ہوا۔ معارف کی شعر و شاعری کے جاندار اور پراثر ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ خیر ابدی کا طالب اور عاقبت اندیش ہے۔ بقول سید سلیمان ندوی[28]

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے
حیات دو روزہ کا کیا عیش و غم
مسافر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

---

۲۵ تا ۲۸ معارف کے اوراق مصور سے بطور علامت جاندار اور جان نواز شاعری کے چند ٹکڑوں کو پیش کیا گیا ہے

۲ - فارسی شاعری یہ حقیقت ہے کہ نثر سے زیادہ نظم اور شاعری کی اہمیت ہر زبان کے ادب کو حاصل ہے۔ اس لئے کہ شاعری اس قوت شعوری کا نام ہے جو جوش اور حیرت کے معنوں سے وابستہ ہے۔ اس کو حسین الفاظ کی بہترین ترکیب یا بندش کہئے یا اس کے لئے کوئی اور معنی خیز اصطلاح وضع کیجئے، شاعری کو نثر نگاری سے ممتاز اور اثر میں بے پناہ ماننا ہی پڑے گا۔ یہ ایسا ساز ہے جس میں مضراب نفوس انسانی کو مرتعش کرنے کے لئے ہر تار موجود ہے۔ اس کو بجانے والا وہ نغمہ ہے جو صدیوں سے انسانی قلوب کی تمناؤں کا محرم راز ہونے کے سبب محترم و محبوب رہا۔ شاعری تخلیقی اعتبار سے ایسے وصف کا نام ہے جس کے آئینہ میں کائنات اور حیات کا مکمل پرتو نظر آتا ہے۔ اس کو ہر علم سے سروکار ہے، ہر فن سے ربط، ہر تخلیق سے دلچسپی اور ہر کار زندگی سے نشاط کی طلب ہے۔ ویسے جذبات نگاری، ہیجان انگیزی نے اختصار کے ساتھ جب موزوں شکل اختیار کرلی تو ارباب ذوق اور صاحبان نظر نے اس کو شاعری کا نام دیدیا اور "شاعری رمزیست پیغمبری" کا نظریہ پیش کردیا۔ بہرحال قدرت نے انسان کو زبان دیکر جو امتیاز و افتخار آدمیت و اشرفیت سے سرفراز کیا ہے اس کا تقاضہ ہے کہ نطق انسانی کے عظیم ترین اعجاز کے اظہار کے طور پر سب سے پہلے اسی ذات پاک کی مدح یعنی حمد باری تعالی اور اس کے محبوب یعنی صادق و مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح یعنی نعت گوئی کو سب سے مقدم رکھا جائے جو مذہبی نقطۂ نظر سے عین ایمان ہے۔ واضح ہو کہ کائنات کے حسن کو انسان اپنے حواس کے ذریعے محسوس کرتا ہے۔ اس کے حواس کی صلاحیت پر ودیعت الٰہی کے لحاظ سے حسن شناسی اور لذت اندوزی کا انحصار ہے۔ شاعری کے ذریعے اس حسن شناسی اور لذت اندوزی کا اعادہ بار بار ایک نئے ہی انداز سے ممکن ہے۔ گویا شاعری تہذیب نفس اور خوش فکری کا ایک طریقہ ہے اور جب اس منہاج احسن میں عقیدت، محبت اور مودت کے صالح جذبات کی فراوانی ہو تو اس کلام کے کیا کہنے۔

اہل سیر کے اقوال کے مطابق شاعری کی روایات اتنی ہی قدیم ہیں جتنی کہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کی روئے زمین پر آمد ہے۔ چنانچہ صائب زبان دانی یا موضوع کے اعتبار سے شاعری کے بارے میں کہتا ہے

آن کہ اول شعر گفت آدم صفی اللہ بود + طبع موزوں حجت فرزندی آدم بود

چنانچہ شاعری کی ابتدا بھی کئی ایک چیزوں کی طرح حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے [29] یہ بھی منقول ہے کہ

---

[29] ادب قدیم — افتخار حسین بحوالہ مرآۃ آفتاب تذکرہ دولت شاہی کامل تواریخ ص ۱۱۵

حضرت آدمؑ نے ہابیل کے قتل پر نہایت اندوہناک و رنجیدہ انداز میں اپنے دلی جذبات سریانی زبان نثر میں ادا کیے ۔ اس کے بعد ان جذبات غم و الم کا ترجمہ یعرب بن قحطان مصنف روضۃ الصفا نے کیا ۳۰ ۔ اسی طرح بقول قاسم بن سلام عربی کا پہلا شاعر یعرب بن قحطان قرار پاتا ہے ۔ شاید اس کا یہ شعر اسی مضمون کا ترجمان ہے :

من الناس من اب و ام + خلیف جہل و طرف علم ۳۱

(بعض لوگ اپنے ماں باپ سے (پیدائشی طور پر) جہالت پسند واقع ہوتے ہیں جبکہ دوسری طرف بعض لوگ علم دوست)

مولانا شبلی شعر العجم جلد چہارم ص ۲ میں شاعری کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں :

" ایک آگ ہے جو خود بخود مشتعل ہوتی ہے ، ایک چشمہ ہے جو خود ابلتا ہے ، ایک برق ہے جو خود کوندتی ہے .... " چونکہ شاعر اپنی قوت متخیلہ سے ایک نیا عالم پیدا کر لیتا ہے اور وہ عالم شاعر کے زیر فرمان ہوتا ہے ۔ اس عالم کی تشریح کرتے ہوئے مولانا شبلی فرماتے ہیں :

" اس عالم میں شاعر کی تاریخ زندگی کی دلچسپیوں سے بھری ہوئی ہے ۔ بلبل نے اس عالم میں زمزمہ سنجی کی تعلیم پائی ہے ۔ پروانے اس کے ساتھ کھیلے ہوئے ہیں ۔ شمع سے وہ رات رات بھر سوز دل کہتا رہا ہے نسیم سحری کو اکثر اس نے قاصد بنا کر محبوب کے یہاں بھیجا ہے ۔ بارہا اس نے غنچے کی اس وقت پردہ دری کی ہے جب وہ معشوق کا تبسم چرا رہا تھا ۔ " ۳۲

شاعری کے جذبات و محسوسات پر بحث کرتے ہوئے مولانا شبلی شعر العجم حصہ چہارم ص ۸۱ میں اظہار خیال فرماتے ہیں " شاعری صرف محسوسات کی تصویر نہیں کھینچتی بلکہ جذبات و احساسات کو پیش کر دیتی ہے ۔ اکثر ہم خود اپنے نازک اور پوشیدہ جذبات سے واقف نہیں ہوتے یا ہوتے ہیں تو صرف ایک دھندلا نقش اجاگر ہو جاتا ہے ، کھوئی ہوئی چیز ہاتھ آ جاتی ہے ۔ خود ہماری روحانی تصویر جو کسی آئینہ کے ذریعے ہم نہیں دیکھ سکتے ہیں شعر ہم کو دکھا دیتا ہے ۔ " ۳۳

فارسی کی ابتدائی عشقیہ شاعری کی زبان ، سوسائٹی کی خرابی ، رندی و مستی اور فحاشی کی وجہ سے نجس ہو گئی تھی لیکن صوفی شعراء نے جو اثر فارسی شاعری پر ڈالا اس کا تجزیہ کرتے ہوئے مولانا شبلی شعر العجم حصہ پنجم ص ۱۲۴ پر رقم طراز ہیں " عاشقانہ شاعری چھٹی صدی میں شروع ہوئی اور چونکہ ایران کو رندی اور عیش پرستی سے خاص نسبت ہے اس لیے احتمال تھا کہ بہت جلد اس کے خمیر میں عفونت آ جائے لیکن تصوف نے کئی سو برس تک اس کی لطافت میں فرق نہیں آنے دیا

تصوف کا یہ اعجاز تھا کہ وہ الفاظ جو رندی اور عیاشی کے لئے خاص تھے حقائق اور اسرار کے ترجمان بن گئے ۔" [۳۴]

شعر و شاعری کی اہمیت کی بابت بالخصوص فارسی شاعری کے ضمن میں مذکورہ بالا ضروری تمہید کے بعد ہم اب نفس مطلب پر آتے ہیں اور معارف کے صفحات میں مندرج فارسی شعر و شاعری کی بابت مختصر اور ضروری نشاندہی کو پیش کرتے ہیں ۔ معارف کے صفحات میں شعرائے فارسی کے کلام پر بھی نقد و جرح اور تنقیدی جائزے ملتے ہیں اور ان کے کلام کے چیدہ چیدہ نمونے بھی وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں ۔ یہاں پر ہم تبرکاً فارسی زبان کے چند ماہرین فن بزرگان دین اور اساتذہ کے کلام کے کچھ نمونے مذکورہ نگارشات کے سیاق و سباق سے نکال کر اس مقالے کی زینت بناتے جاتے ہیں جو زبان کے اعتبار سے آسان لیکن شخصیت اور معنی آفرینی کے لحاظ سے بھاری بھرکم ہیں :

مولانا روم :

از هزاران کعبه بهتر یک دل است — دل بدست آور که حج اکبر است
کعبه بنیاد خلیل آزر است — دل گذرگاه جلیل اکبر است

خواجہ حافظ :

این چه شوریست که در دور قمر می بینم — همه آفاق پر از فتنه و شر می بینم
هر کسی روز بهی می طلبد از ایام — مشکل اینست که هر روز بتر می بینم
ابلهان را همه شربت ز گلاب و قند است — قوت دانا همه از خون جگر می بینم
اسپ تازی شده مجروح بزیر پالان — طوق زرین همه از گردن خر می بینم
دختران را همه جنگست و جدل با مادر — پسران را همه بد خواه پدر می بینم
هیچ رحمی نه برادر به برادر دارد — هیچ شفقت نه پدر را به پسر می بینم

پند حافظ بشنو خواجه برو نیکی کن — زانکه این پند به از دُرّ و گهر می بینم

حضرت شاه نعمت‌الله ولی :

عالم ز علم نالان دانا ز فهم گریان + نادان برقص اندر معروف والهانه
از امت محمد سرزد شوند بی حد + اعمال مجرمانه احوال عامیانه
شفقت ز از برادر مهر پدر ز پسران + تبدیل گشته باشد از فتنه زمانه
همشیر با برادر پسران همه با مادر + باشد پدر بدختر مجرم به عاشقانه
عزت رود سراسر حرمت رود سراسر + عصمت رود برابر از غیر مخویانه
بی مهرگی سراید بپرده دری درآید + عصمت فروش باشند معصوم ظاهرانه
دختر فروش باشد عصمت فروش باشد + مردان سفله طینت با وضع زاهدانه
شوق نماز روزه حج و زکوة فطره + کم کردن از آنها یکبار ظاهرانه
خون جگر بنوشم با رنج با تو گویم + لله ترک گردان این طرز عیسیانه
قهر عظیم آید بهر سزا که باشد + اجر از خدا بیابند از حکم قاتلانه
ارزان شود سراسر با شیداد و جان مسلم + خون می شود روانه چون بحر بیکرانه
شهر عظیم باشد قتل عظیم سازند + چون کربلا ز کربل هر خانه د بخانه

۳۵

علامه اقبال :

تو غنی هر دو عالم من فقیر + روز محشر عذرهای من پذیر
یا اگر بینی حسابم ناگزیر + از نگاه مصطفی پنهان بگیر

۳۶

مولانا شبلی نعمانی :

امشب این غلغله در کوچه و بازار افتاد — که فلان مے زد و بیخود شد و سرشار افتاد
سخن از صومعه اہل ورع چند کنی — که مرا کار بآن چشم قدح خوار افتاد
بسکه غارتگر حسن تو جہان برہم زد — یوسف از خانه بدر رفت و ببازار افتاد
نه عجب گر نگه مست تو افتد بر من — باده بیرون فتد از جام چو سرشار افتاد
شیوهٔ مہر ز خوبان نتوان داشت طمع — که مرا کار بایں طائفه بسیار افتاد
محتسب از پی دجے ز حریفان بہ کمیں — شبلیا رندی پنہان تو دشوار افتاد

---

۳۰ ادب قدیم بحوالہ حضرت عبداللہ ابن عباس کی ایک روایت تاریخ طبری ص ۳۱۸ + روضۃ الا
— افتخار حسین

۳۱ ادب قدیم — افتخار حسین بحوالہ بحر الفصاحت مصنفہ نجم الغنی خان ص ۱۱۱

۳۲ تا ۳۳ دبستان شبلی کے نامور انشا پرداز — اثر انصاری ص ۶۴-۶۶

۳۴ ایضاً ص ۶۷-۶۸

۳۵ شاہ نعمت اللہ ولی اوران کا قصیدہ — ریاست علی معارف شمارہ ۱ جلد ۶۱

۳۶ علامہ اقبال کی مناجاتی رباعی جو انہوں نے اپنی وفات سے چند روز پہلے کہی تھی ۔

⑤ معارف کے مستقل ابواب

معارف کے مخصوصات و محاسن میں اس کی ایک اہم ترین خوبی مضامین کا مختلف ابواب میں تقسیم کاری ہے ۔ بقول سید سلیمان ندوی :

"رسائل کی دنیا میں معارف کے بہت سے اولیات ہیں جن میں ایک رسالہ کے مضامین کو مختلف ابواب میں تقسیم کرنا ہے ۔" [۱]

مذکورہ ابواب میں برابر کچھ نہ کچھ ردو بدل ہوتا رہا ۔ عام طور پر شروع سے آج تک جو ابواب قائم و دائم ہیں ان کا اجمالی جائزہ حسب ذیل ہے :

۱ ۔ ادبیات

۲ ۔ اخبار علمیہ

۳ ۔ مطبوعات جدیدہ

۴ ۔ باب التقریظ والانتقاد

۵ ۔ تلخیص و تبصرہ

۶ ۔ آثار علمیہ وادبیہ یا آثار علمیہ و تاریخیہ

ان مستقل عنوانات کے علاوہ معارف میں کبھی کبھی باب الاستفسار والاجوبہ کے عنوان کے تحت دینی علمی اور ادبی سوالات کے تفصیلی جواب مرحمت کیے جاتے ہیں ۔

اب ہم تفصیل سے مندرجہ بالا ابواب کا جائزہ لیں گے ... ———

۱۔ ادبیات

معارف کا ایک مستقل عنوان جس سے اس کی طویل تاریخ کا شاید ہی کوئی شمارہ خالی ہو "ادبیات" ہے ۔ اس کے تحت شعرائے کرام کی شعری تخلیقات نظم ہو یا غزل پیش کی جاتی ہے ۔ حمد اور نعت کے بہترین اور موثر مجموعوں کو اس باب کے تحت ترتیب دیا جاتا ہے ۔ صرف یہی ایک عنوان معارف کو اردو ادب میں نمایاں مقام دلانے کے لئے کافی ہے ۔ اس میں بہت سے ایسے شعراء کا کلام شائع ہوا جو بعد میں ملک کے چوٹی کے شاعر تسلیم کئے گئے ۔ سید صاحب کا ذوق شعر و سخن چونکہ خود نہایت معیاری تھا اور وہ فن عروض پر دسترس کامل رکھتے تھے اس لئے اشاعت کے لئے موصول ہونے والے کلام پر وہ ہر پہلو سے تنقیدی نظر ڈال کر شائع کرتے تھے ۔ اس لئے معارف میں بعد کے مدیران نے بھی ان باریکیوں کا حتی الامکان خیال رکھنے کی کوشش کی ۔ یہی وجہ ہے کہ معارف میں شائع شدہ کلام کبھی مبتذل یا غیر معیاری نہیں مل سکتا ۔ جن شعراء کو معارف کی سند اعتبار اور معارف کا اعتماد حاصل کرنے کا فخر نصیب ہوا ان میں سے کچھ نام یہ ہیں :

فراق گورکھپوری + کشور واحدی + شاد عظیم آبادی + امجد حیدرآبادی + اثر صہبائی
+ جگر مرادآبادی + احسان دانش + یحییٰ اعظمی + حفیظ ہوشیارپوری + روش صدیقی
+ حسرت موہانی + اقبال سہیل + اثر لکھنوی + ثاقب کانپوری + حمید صدیقی
+ شفیق جونپوری + فضا ابن فیضی + مہندر پرکاش + جگن ناتھ آزاد وغیرہ

اسی طرح معارف میں اس مستقل عنوان کے تحت بہت سے ایسے شعراء کا کلام بھی ملتا ہے جن کے علم و فضل نے ان کی شاعری کے ملکہ پر تسلط قائم رکھا اور وہ بحیثیت شاعر مشہور و معروف نہ ہو سکے مثلاً حبیب الرحمن خاں شیروانی + عبدالماجد دریابادی + آل احمد سرور + حبیب الرحمن اعظمی + نواب مزمل اللہ خاں وغیرہ ۔ معارف میں شائع شدہ ان لوگوں کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ فن شاعری کی باریکیوں پر انھیں عبور حاصل تھا ۔

ادبیات میں شائع ہونے والے کلام کی تاریخی اہمیت بھی مسلّم ہے ۔ اردو شاعری پر کام کرنے والے محقق کو بہت سے نامور شعراء کے کلام میں ترتیب زمانی قائم کرنے اور ان کے فکری ارتقاء کو سمجھنے میں اس سے بہت مدد ملتی ہے ۔

۱؎ شذرات معارف جون ۱۹۴۳ء

ادبیات کے نمونے

۱- حمد باری تعالیٰ — مقصود احمد مقصود [۲]

تری حمد مجھ سے ہو کیا بیاں، تری شان جل جلالہٗ + میں ترے حضور میں ہوں بے زباں تری شان جل جلالہٗ
تو ہر ابتدا کی ہے انتہا، نہیں تیری کوئی بھی انتہا + بہ لحاظِ ذات ہے تو نہاں، تری شان جل جلالہٗ
ہے مرا وجود اٹا ہوا گنہ و خطا کے غبار میں + ہو نزول رحمتِ بیکراں، تری شان جل جلالہٗ
میں ہوں ناخلف یہ ہے سچ مگر مجھے لے بلا اپنی طرف + ترا فضل خاص کشاں کشاں، تری شان جل جلالہٗ
میں ہوں غرق قلزمِ یاد میں، گہرِ وصول کی چاہ میں + ہے قرار مجھ کو یہاں کہاں، تری شان جل جلالہٗ

۲- نعت — ڈاکٹر سعید عارفی [۳]

گونگے الفاظ نے پائے ہیں معانی تجھ سے + موجِ گفتار میں ہے ساری روانی تجھ سے
میری خلوت ہے ترے ذکر سے روشن آقا + ساعتِ ہجر بھی لگتی ہے نورانی تجھ سے
ناشناسی کے حصاروں میں گھری تھی دنیا + زیست کیا چیز ہے یہ بات تو جانی تجھ سے
کتنا بے رنگ تھا ظلمات میں ذہنوں کا سفر + کتنی خوش رنگ ہے اب اپنی کہانی تجھ سے
سادگی حرف نے پائی تری باتوں کے طفیل + نطق کے ہاتھ لگی سہل بیانی تجھ سے
لہلہاتی کہاں فصلیں نہ اگر تو ہوتا + بارشیں تجھ سے ہیں دریاؤں میں پانی تجھ سے
رہ رواں رہِ تسلیم و رضا نے پائی + جادۂ زیست پہ منزل کی نشانی تجھ سے
یوں چلا مدحتِ آقا میں قلم تیرا سعید + موجِ دریا نے بھی مانگی ہے روانی تجھ سے

۳- رباعیات — وسیم الظفر ردولوی [۴]

مست مئے پندار نہیں ملتا ہے + بہکا بہکا ہوا سرشار نہیں ملتا ہے
اے رحمتِ عالم تری رحمت کے نثار + ڈھونڈنے سے گنہگار نہیں ملتا ہے

پھول اک دامنِ بہار میں تھا + سب بیٹھ نثار لایا
وہ ہزاروں کی آنکھ کا تارا + کسی گلچیں کے ہاتھ

---

[۲] معارف اکتوبر ۱۹۹۷ ص ۳۱۵
[۳] معارف اکتوبر ۱۹۹۶ ص ۳۱۶
[۴] معارف مارچ ۱۹۹۸ ص ۲۳۶

۲۔ اخبارِ علمیہ

اس عنوان کے تحت دنیا میں وقوع پذیر اہم خبروں پر تبصرہ کیا جاتا ہے یا علمی و سائنسی خبریں درج کی جاتی ہیں شروع میں یہ باب کچھ عرصہ چلا اور معلومات آفریں ثابت ہوا لیکن تقسیم ملک کے بعد کے حالات میں نہ معلوم کن اسباب کی بنا پر اس کو موقوف کر دیا گیا۔ کچھ عرصہ سے از سرِ نو شروع کیا گیا ہے۔ قارئین اس کو دلچسپی اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے منتظر رہتے ہیں۔

اخبارِ علمیہ کے نمونے

۱۔ علم فلکیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ خبر آجکل موضوعِ گفتگو ہے کہ فضائے بسیط میں ایک ایسے بادل کا مشاہدہ کیا گیا ہے جو کروڑہا لیٹر شراب سے لبریز ہے۔ یہ شرابی بادل جسامت میں پورے نظام شمسی سے بھی بڑا ہے۔ اندازہ ہے کہ اس سے ۴۰۰ ٹریلین پینٹس (ایک قسم کا پیمانہ) بیئر حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ 10,000 نوری سال کی مسافت پر ستاروں کے ایک جھرمٹ کے نزدیک نو دریافت ستارہ 34.3 G کے نزدیک دیکھا گیا ہے۔ برطانیہ کے تین سائنس دانوں نے ہوائی کی رصدگاہ سے اس کا مشاہدہ کیا۔ ایک شاہد ڈاکٹر میلڈ آنلڈ کا اندازہ ہے کہ اگر اس بادل کو بیئر بنانے کے لئے استعمال کیا جائے تو اگلے ایک کروڑ سال تک دنیا کے ہر شخص کے لئے روزانہ 300,000 بڑے بڑے ساغر تیار ہوتے رہیں گے۔ یورپ کے علم والوں نے اپنے پیمانوں کے مطابق اسے بیئر سے تعبیر کیا ہے لیکن غیب کے علم کا اعتقاد رکھنے والے اسے "وانہار من خمر لذۃ للشاربین" کا محض ایک مظہر سمجھ کر خالق کائنات کی موعود نعمتوں کے انتظار کی لذت سے سرشار ہوتے رہیں گے۔ ۵

۲۔ گذشتہ دنوں برطانیہ کے ولی عہد پرنس آف ویلز شہزادہ چارلس نے ازبکستان کے دورے کے موقع پر مصحف قرآنی کی زیارت بڑی دلچسپی کے ساتھ کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک شادی کے لباس عروسی کو بھی بہت پسند کیا۔ اسلام اور اسلامی روایات سے شہزادہ کے اس شغف کا راز یہ بتایا گیا کہ قبیلہ قریش سے ان کا نسبی رشتہ ہے جو آنحضورؐ کے ایک جد عبدالشمس تک پرنس کی ایک دادی ملکہ میری کے ذریعے پہونچتا ہے۔ ۶

---

۵ معارف اپریل 1990 ص ۳۰۵

۶ معارف نومبر 1997 ص ۱۴۰

۳۔ مطبوعات جدیدہ

اس عنوان کے تحت عربی، فارسی، انگریزی اور اردو میں شائع ہونے والی نئی کتابوں پر مختصر مگر جامع تبصرے کیے جاتے ہیں۔ معارف کے تبصرے عموماً نرم اور معتدل ہوتے ہیں لیکن انداز بہرحال علمی ہوتا ہے۔ یہ تبصرے توازن اور علمی بصیرت کے لحاظ سے بے حد ممتاز ہیں۔ یہ مستقل عنوان معارف کے اجراء سے برابر جاری ہے۔ ابتدا میں خود سید صاحب کتابوں پر تبصرے لکھتے تھے، پھر دوسرے رفقاء دارالمصنفین اور بعد کے آنے والے مدیران نے اس فرض کو انجام دیا ۔

مطبوعات جدیدہ کے نمونے

۱۔ نوادر امدادیہ[57] ـــ پروفیسر نثار احمد فاروقی ناشر حضرت سید محمد گیسو دراز تحقیقاتی اکیڈمی گلبرگہ شریف کرناٹک صفحات 786

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رح کے احوال و ملفوظات کے متعدد مجموعوں کی صورت میں مشہور عالم و محقق پروفیسر نثار احمد فاروقی کے دو شاہکار امداد المشتاق اور مرقومات امدادیہ اس سے قبل شائع ہو چکے تھے۔ زیر نظر کتاب حاجی صاحب رح کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو ان کے مرید و دست گرفتہ مولانا عبدالسمیع بیدل رام پوری صاحب انوار ساطعہ در بیان مولود و فاتحہ کے نام تھے۔ حاجی صاحب نے اپنے اکثر خطوط میں اپنے دیوبندی خلفاء کے مسلک کے برخلاف مولانا بیدل کے مسلک کی حمایت کی ہے جو فاتحہ، چہلم اور قیام میلاد وغیرہ کے قائل تھے۔ ہر خط کا اصل عکس بھی دیا گیا ہے۔ کتاب کا مدلل و مفصل مقدمہ ایک اضافی خوبی ہے جو انوار ساطعہ کے مسائل کے جواز و عدم جواز کی بحث کو اور دلچسپ بناتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مرتب کی نظر ان مسائل پر بھی بہت گہری ہے۔ البتہ انھوں نے جس طرح بعض تاریخی روایتوں سے استدلال کیا ہے وہ محل نظر ہے مثلاً قبر پر نذر ماننے اور حاجات طلب کرنے کے اہل بدعت کے عمل کو صدر اسلام کا رائج معمول قرار دینا یا حضرت علیؓ اور دوسرے کبار صحابہؓ کی موجودگی میں حضرت زینب بنت جحش کی قبر پر چادر چڑھایا جانا وغیرہ

۲۔ اظہار حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت (تین حصے)[58] ـــ مولانا اسحق سندیلوی ناشر دارالکتب امدادیہ کراچی صفحات 368 + 480 + [illegible]

مولانا مودودی کی مشہور کتاب خلافت و ملوکیت کے مطالعہ و نتائج سے اختلاف کرنے کے علاوہ علماء کی ایک جماعت کا یہ پختہ خیال ہے کہ اس کتاب سے بعض صحابہ کرام کے متعلق سوء ظن پیدا ہوتا ہے اور اس سے مرتبہ صحابیت کی عظمت و اہمیت دل میں باقی نہیں رہتی۔ اسی احساس کے پیش نظر متعدد اہل قلم نے اس کے رد میں مضامین و کتابیں لکھیں۔ زیر نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ اس کے متعلق فاضل مولف کا یہ دعوی بجا ہے کہ یہ محض جواب دہی کے مقصد سے نہیں لکھی گئی بلکہ واقعات و مسائل کی تحقیق اور اہل سنت کے صحیح مسلک کا اظہار بھی ہے۔ اس لیے یہ تاریخ سے زیادہ عقائد و کلام کی کتاب ہے ۔

---

[57] معارف فروری ۱۹۹۷ ص 100

[58] معارف اپریل ۱۹۹۶ ص ۳۱۶

۴- باب التقریظ والانتقاد

اس عنوان کے تحت کسی اہم کتاب پر مفصل و مبسوط نقد و تبصرہ ہوتا ہے جو عام طور پر ادارہ معارف کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے مگر کبھی کبھی معارف کے کسی خاص مضمون نگار کی طرف سے بھی۔ کتابوں کے علاوہ اہم رسائل و جرائد اور ان کے خاص نمبروں پر بھی تبصرے کئے جاتے ہیں۔ ان تبصروں میں بے لاگ رائے کا اظہار کیا جاتا ہے۔ تنقیص و تعریض سے حتی الامکان گریز کرتے ہوئے خالص سنجیدہ اور مقصدی اسلوب اور علمی و بصیرت افروز انداز میں زیر تبصرہ کتاب یا رسالہ کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ تنقید میں توازن شروع سے آخر تک برقرار رہتا ہے۔

باب التقریظ والانتقاد کے نمونے

(۱)[9] سید سلیمان ندوی ــــ حیات اور ادبی کارنامے ــــ ڈاکٹر ہاشم علی   از جناب سبط محمد نقوی

مذکورہ کتاب میں ہاشم صاحب نے سید صاحب کی شخصیت اور کارناموں کو مولانا شبلی کی شخصیت اور کارناموں سے دو چند ثابت کیا ہے اور سید صاحب کی شخصیت اور کارناموں کو ان کے استاد مولانا شبلی کی شخصیت اور کارناموں پر ہر ممکن طریقے سے ترجیح دی ہے جس کی وجہ سے فاضل مبصر سبط محمد نقوی کو سخت اعتراض پیدا ہوا ہے اور انھوں نے کتاب کے بعض حصوں سے اور کتاب میں پیش آئے بعض حقائق سے اختلاف ظاہر کیا ہے اور سخت تنقید کی ہے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں " ہاشم صاحب کا سید صاحب کو شبلی کے تمام اوصاف و کمالات پر حاوی اور ان سے بڑا مبصر، سیاست داں، صحافی، ماہر تعلیم، محقق اور ماہر لسانیات قرار دینا محض بلا دلیل ہے۔ ہم تو بہ پاس خاطر نازک مزاجاں اس وادی پرخار سے سلامت گزر گئے۔ اگر کوئی صاحب اس بحث کو بڑھانا چاہیں تو ہم حاضر ہیں۔ ہم کو دونوں شخصیتیں عزیز ہی نہیں عزیز تر ہیں مگر یہ واضح رہے کہ سید سلیمان ندوی مولانا شبلی کے ساختہ پرداختہ تھے۔ ان کا یہ شرف نہیں کہ وہ کلی یا جزوی طور پر علامہ شبلی سے برتر تھے۔ ان کا اصل شرف ہے کہ جو کام مولانا شبلی خود نہ کرنا چاہتے یا کسی وجہ سے نہ کر پاتے تھے اس کام کے لئے ان کی نظر سید صاحب ہی پر پڑتی تھی۔ اپنے سوانح کے لئے بھی کیا، سیرت النبیؐ ایسے عظیم و تاریخ ساز کارنامے کے لئے بھی کیا، وہ فخر استاد شاگرد تھے مگر شاگرد ہی تھے حریف نہیں تھے۔

---

[9] معارف جنوری ۱۹۹۷ ص ۶۶-۶۷

ہاشم صاحب نے اپنی کتاب میں سرسید احمد خاں اور مولانا شبلی کے نام نہاد اختلافات کو بھی ہوا دیکر دونوں عظیم شخصیتوں کی ذات و حیثیت میں بٹہ لگادیا ہے ۔ اس رجحان سے بھی سبط نقوی صاحب کو قلبی تکلیف پہونچی ہے اور انھوں نے ہاشم صاحب سے سخت اختلاف کیا ہے ۔ وہ اپنے تبصرے میں ایک جگہ بہت ہی عمدہ بات لکھتے ہیں :

"انگریزوں کی حمایت سرسید قوم کے لئے ضروری سمجھتے تھے جبکہ شبلی انگریزوں کی اسلام مخالف سرگرمیوں کے نکتہ چیں تھے' یہ بات درست ہے ۔ یقیناً یہ فکری اختلاف تھا اور اپنے اپنے موقف میں دونوں بجا تھے لیکن عملی زندگی میں تو اس کا کوئی ناگوار اثر مشاہدے میں نہیں آیا ۔ انگریز دشمنی کے باوجود برطانوی حکام نے مولانا کو شمس العلماء کے خطاب سے نوازا اور مولانا نے اسے خاموشی کے ساتھ نہیں خوشی کے اظہار کے ساتھ قبول فرمایا ۔ یہ تاریخی سانحہ ہے کہ ان دونوں مفکروں نے کوئی متفقہ راستہ نہیں نکالا ورنہ شاید ملت اسلامیہ کی فلاح کی بہتر سبیل ہو سکتی ۔ قیاس کا قرینہ یہ ہے کہ اگر مولانا نے افہام و تفہیم کی سعی کی ہوگی تو وہ اس لئے نا مشکور ہوئی ہوگی کہ سرسید انگریز اساتذہ اور اپنے صاحب زادے سید محمود کے اثر میں تھے اور ان لوگوں کی رائے کے خلاف کسی اقدام سے معذور تھے "۔

۲۱ - اوراقِ گل[نل] ۔ پنڈت پرکاش جوہر ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی صفحات ۱۴۴ قیمت ۲۰/ روپے

اوراقِ گل مقبول شاعر جناب پنڈت پرکاش جوہر کے مجموعہ کلام پر مشتمل ہے ۔ موصوف کو غزل گوئی سے خصوصی مناسبت کے وجہ سے وہ حلقۂ علم و ادب میں کافی مقبول رہے بالخصوص دارالمصنفین کے ذمہ دار حضرات خاص طور پر شاہ معین الدین ندوی ان کو بے حد پسند کرتے تھے ۔ ان کی ایک غزل کے مندرجہ ذیل اشعار کو شاہ صاحب اور مولانا مناظر احسن گیلانی نے بے حد پسند کیا :

کیسا قرب کہاں کی دوری + عشق میں دونوں غیر ضروری
پوچھ نہ کچھ ہنگامِ حضوری + اہل محبت کی مجبوری
اللہ اللہ شانِ حضوری + دل سے قریب آنکھ سے دوری
تجھ کو بھلا کر اب میں سمجھا + یاد بھی تیری کتنی ضروری
ویسی طلب توہینِ طلب ہے + عشق میں جو ہو جائے پوری
دل کے بدلے درد ملا ہے + مل گئی قیمت پوری پوری
جلوہ جلوہ پردہ پردہ + قربت قربت دوری دوری

نل معارف مئی ۱۹۸۸ ص ۳۹۰

۵۔ تلخیص وتبصرہ

اس عنوان کے تحت عربی، فارسی یا انگریزی کے کسی ممتاز اہل قلم کے مضمون کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ کبھی اس پر مختصر مگر جامع تبصرہ بھی شائع ہوتا ہے۔ ان مضامین کا موضوع زیادہ تر عالم اسلام سے متعلق ہوتا ہے۔ دنیا میں اسلام کی نشر و اشاعت اور مسلمانوں کے سیاسی و تمدنی حالات پر خاص طور سے بڑے مفید افزا مضامین اس عنوان کے تحت معارف میں پیش کئے گئے ہیں۔

تلخیص وتبصرہ کے نمونے

۱۔[11] معاصر رسالہ IMPACT INTERNATIONAL, LONDON میں ڈاکٹر ایس ایم درشن کے ایک مضمون کی تلخیص پیش کی گئی ہے جس میں قرآن مجید کے ایک مستند ترین انگریزی ترجمہ کے متعلق سعودی عرب کے دارالافتاء والدعوۃ کی کوششوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ قرآن مجید کا یہ انگریزی ترجمہ عبداللہ یوسف علی کا ہے جس کو شاہ فہد پرنٹنگ کامپلکس نے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ تلخیص مولانا محمد عمیر الصدیق دریابادی نے کی ہے۔ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ کس حد تک مستند اور قرآن حکیم کی روح کے مطابق ہے تلخیص نگار نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کا تجزیہ کیا ہے۔

۲۔[12] متحدہ عرب امارات کے موقر ہفتہ وار جریدہ 'الاصلاح' میں انڈونیشیا کے آیبک حسین کے ایک مضمون بہ عنوان 'انڈونیشی زبان پر عربی زبان کے اثرات' کی تلخیص مولانا محمد عمیر الصدیق دریابادی نے کی ہے۔ مندرجہ ذیل باتیں قابل غور اور معلومات افزا ہیں جن سے نہ صرف یہ کہ اس عظیم مجمع الجزائر کی بابت ضروری اور بنیادی معلومات حاصل ہوتی ہیں بلکہ SOUTH EAST ASIA کے ممالک کی لسانیات پر عربی زبان کے خصوصی اور دیرپا اثرات کا جائزہ لینے میں بھی مدد ملتی ہے:

---

[11] + [12] معارف اگست ۱۹۸۸ ص ۱۴۷ + ۳۰۰

— دنیا کا سب سے بڑا مجمع الجزائر انڈونیشیا 13,677 جزیروں پر مشتمل ہے جن میں سماترا، جنوبی بورنیو، ایریانا، جاپا، سلاویسی، جاوا اور مدرا بڑے جزائر ہیں صرف ایک ہزار جزیروں میں انسانی آبادی ہے۔ بقیہ جزیرے ابھی تک ویران پڑے ہیں۔

— پورے ملک کی آبادی ۱۷ کروڑ کے لگ بھگ ہے جس میں 90% سے زائد مسلمان ہیں۔

— یہاں کی عام اور سرکاری زبان کا نام مالے (MALAY) یا بھاسا انڈونیشیا (BHASA INDONESIA) ہے۔

— انڈونیشیا قدیم زمانے سے گرم مصالحہ کی پیداوار کے لئے مشہور ہے۔ جائفل، لونگ، سیاہ مرچ اور دارچینی کی خوشبو نے کئی اجنبی قوموں کو اس کی جانب متوجہ کیا۔

— جب عرب اور ہندوستان کے مسلمان تاجر یہاں آئے تو اسلام کی سوغات بھی اپنے ساتھ لائے چنانچہ بارہویں صدی عیسوی میں یہ ملک اسلام کی روشنی سے منور ہوا۔

— ۱۳۴۶ء میں جب ابن بطوطہ سماترا آیا تو اس وقت سلطان زین العابدین الملک الظاہر تخت سلطنت پر متمکن تھا۔

— یہاں کے باشندوں کے طور طریقے، رسم و رواج اور زبان کے لہجے جدا جدا ہیں لیکن مذہب اسلام نے سب کو ایک ہی رشتہ میں پرو رکھا ہے۔

— انڈونیشیا کی زبان پر عربی زبان کے گہرے اثرات و نقوش حیرت انگیز ہیں مثلاً

- اس ملک کے باشندوں کے نام عموماً عربی ہوتے ہیں اور اس میں مسلم و غیر مسلم کی کوئی تخصیص بھی نہیں ہے۔ احمد، محمود، محمودہ، جمیلہ وغیرہ نام عام طور پر ملتے ہیں۔
- جاکرتا میں پارلیمنٹ کی بلند و بالا عمارت کے صدر دروازہ پر D.R.P کے حروف نقش ہیں یہ حروف دیوان رعیہ قروا کیلاف کا اختصار ہیں۔ اسی طرح ایک ادارہ کا نام M.R.P ہے جو مجلس مشاورات رعیہ کے عربی الفاظ سے بنا ہے۔
- انڈونیشیا کے قدیم زبان و ادب کا جائزہ لینے پر بے شمار عربی الفاظ و اصطلاحات کا ذخیرہ ملے گا۔

— مندرجہ بالا حقائق سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً نو سو سال کے بعد بھی انڈونیشی زبان پر عربی زبان کے گہرے اثرات باقی ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں اسلام کے عقیدہ و شریعت کی روح بھی برقرار ہے لیکن موجودہ دور میں دوسرے اسلامی ممالک کی طرح انڈونیشیا پر بھی مغربی افکار و نظریات اور زبان و تہذیب کا غلبہ و تسلط ہے۔ اس نے سیاسی حیثیت سے فوری آزادی حاصل کر لی ہے (1949) مگر لسانی اور تہذیبی تسلط سے ابھی نجات نہیں حاصل کر سکا ہے جو اگرچہ دور رس ہے لیکن اس کے لئے بہت زیادہ محنت جدوجہد اور قربانی کی ضرورت ہے

۶۔ آثارِ علمیہ و ادبیہ یا آثارِ علمیہ و تاریخیہ

اس عنوان کے تحت حسبِ ذیل انداز کے علمی یا ادبی مواد شائع کیے جاتے ہیں جن کی تاریخی اہمیت بھی مسلّم ہے:

- اس عنوان کے تحت مشاہیرِ علم و ادب کے وہ خطوط شائع کیے جاتے ہیں جو مدیرِ معارف کو علمی و ادبی مسائل سے متعلق وقتاً فوقتاً لکھے جاتے ہیں۔ ان خطوط سے ایک طرف ان اہلِ علم و اہلِ قلم کے طرزِ انشاء کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف اپنے موضوعات سے متعلق ان کے گہرے شغف کا حال معلوم ہوتا ہے اور ان کی جامعیت، ہمہ گیری، وسعتِ فکر و نظر اور عظمت و شہرت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اس عنوان کے تحت جن اکابر اور مشاہیر کے خطوط معارف کے سفینے میں محفوظ ہوگئے ہیں ان میں علامہ شبلی، مولانا محمد فاروق چریاکوٹی (استاذ مولانا شبلی)، سید سلیمان ندوی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا مناظر حسن گیلانی، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی، مولانا الطاف حسین حالی، اکبر الہ آبادی وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ لائقِ ذکر ہیں۔
- اس عنوان کے تحت اکابر فضلائے عصر کی بعض نادر و نایاب تحریریں بھی شائع کی جاتی ہیں۔ یہ تحریریں نظم و نثر دونوں میں ملتی ہیں اور مطبوعہ و غیر مطبوعہ دونوں انداز کی ہیں۔ یہ تحریریں بھی اپنا خصوصی و منفرد مقام رکھتی ہیں اور قابلِ قدر ہیں۔ ان نایاب تحریروں کا بھی اچھا خاصہ مجموعہ معارف کے اوراق میں محفوظ ہوگیا ہے۔

آثارِ علمیہ و ادبیہ یا آثارِ علمیہ و تاریخیہ کے نمونے [۱۳]

ا۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی ایک تحریر ــــ ارسال کنندہ قاضی محمد زاہد الحسینی

مولف "تالیف" [۱۴] سے دیرینہ مراسلت کی راہ سے تعارف حاصل ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے تبلیغ و دعوت

---

[۱۳] معارف اپریل ۱۹۹۶ ص ۳۰۹

[۱۴] جس زمانہ میں سید صاحب بھوپال میں قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز تھے اس زمانہ میں قاضی محمد زاہد الحسینی نے وہاں سے ایک رسالہ "تالیف" کے نام سے نکالنا چاہا تھا۔ یہ تحریر اسی کے بارے میں ہے جو قاضی صاحب نے پاکستان سے بھیجی ہے۔

اور اسلام کی خدمت کا جذبہ بخشا ہے اور اسی جذبہ سے مجبور ہو کر وہ اپنی قلمی خدمات کا یہ سلسلہ شروع کر رہے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت عنایت فرمائیں اور ان کے قلم کو جادۂ حق پر استقامت بخشے۔ ہمارے نوجوانوں میں جوش کی کمی نہیں، کمی ہوش کی ہے۔ تنہا جوش سے کچھ نہیں ہوتا جب تک وہ ہوش کے تابع نہ ہو۔ میری تمنا ہے کہ مولف "تالیف" ان دونوں باتوں کو اپنے قلم میں یکجا کریں اور ملک و ملت کے لئے مفید بنیں۔

فقیر بیچمدان

سید سلیمان ندوی

۱۹ر محرم ۱۳۶۸ھ[15]

۲۔ مولانا شبلی کے نام مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کے چند خطوط ــــ ارسال کنندہ ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اسلام آباد

ان نایاب خطوط کی اہمیت کی مندرجہ ذیل وجوہات بتائی جا سکتی ہیں:

- یہ خطوط عربی میں ہیں، قدیم اور غیر مطبوعہ ہونے کے سبب تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خطوط کی تعداد ۴ ہے جو پوسٹ کارڈ پر لکھے ہوئے ہیں۔
- ان خطوط کا لکھنے والا اپنے وقت کا ایک فاضل استاد ہے جو علمی حلقوں میں مولانا محمد فاروق چریاکوٹی کے نام سے جانا جاتا ہے اور مکتوب الیہ شبلی جیسا علامہ اور نامور مصنف ہے۔
- ۱۰۰ سال سے زائد مدت گزرنے کے باوجود ان خطوط پر جو سیدگی کا کوئی اثر نہیں، روشنائی کا رنگ تک ماند نہیں پڑا۔ خط جلی غالباً سرکنڈے کے قلم کا ہے اور نہایت پختہ ہے۔
- ان خطوط میں جہاں استاد شاگرد کے بے مثال تعلق کی جھلک دکھائی دیتی ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آج سے ۱۰۰ سال پہلے ہمارے اسلاف مراسلت میں کن آداب کو ملحوظ رکھتے تھے مثلاً سرنامہ میں ان شاء اللہ لکھنے کا التزام۔ یہ اس طریقہ کی پابندی ہے جو قرآن ایک مسلمان کو سکھاتا ہے کہ مستقبل سے متعلق جب کوئی ارادہ کرو تو ان شاء اللہ سے اس کی ابتدا کرو۔ اس زمانے میں لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی قرآنی ہدایات کا خیال رکھتے تھے۔ یہ خطوط عربی میں ہیں اور ان کے پتے فارسی میں ہیں لیکن کارڈ کی اپنی ہیئت کذائی بحیثیت مجموعی انگریزی سے ہے۔

---

[15] معارف جون ۱۹۸۸ ص ۴۶۵

ملکہ وکٹوریہ کی تصویر اور انگریزی حروف میں ضروری اندراجات کے علاوہ مہروں میں انگریزی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ اس عبوری دور میں حالات و معاملات کس طرح کروٹ بدل رہے تھے۔ پڑھے لکھے مسلمان اپنے روایتی طریقوں پر چل رہے تھے۔ وہ اپنے خطوط فارسی میں لکھتے تھے مگر ڈاک خانہ کا عملہ اپنے قلم سے شہر اور مکتوب الیہ کا نام انگریزی اور ہندی میں لکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ڈاک خانہ کا عملہ فارسی اور اردو سے واقف ہوتا تھا اور ساتھ ہی انگریزی اور ہندی سے بھی۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ وکیل اور جج ہونے کے لئے بھی عربی و فارسی پر ہی مدار تھا مگر یہ گزرتی ہوئی بہار کا آخری سماں تھا۔ عربی فارسی اور اردو ایوان اقتدار اور کاروبار حکومت سے رخصت ہو رہی تھیں اور ان کی جگہ انگریزی اور ہندی کی عملداری قائم ہونے والی تھی۔ اس کی شروعات کس طرح ہوئی اس کی داستان یہ تاریخی پوسٹ کارڈ اپنی زبان حال سے بھی اور زبان قال سے بھی دہرا رہے ہیں۔ دیکھنے والی آنکھ ہو تو دیکھے' سننے والا کان ہو تو سنے۔ ایک اور بات جو پتے کے اندر متوجہ کرتی ہے وہ اندراجات کی ترتیب ہے۔ آج کل پوسٹ کارڈ یا لفافہ پر پتہ لکھنے کا جو طریقہ رائج ہے اور جس کی خلاف ورزی کو جہالت اور نادانی کا نتیجہ تصور کیا جاتا ہے ان خطوط میں اس کے بالکل برعکس طریقہ نظر آتا ہے۔ (حالانکہ فطری طریقہ یہی ہے لیکن دور حاضر کے عقل مندوں نے اس کو الٹ دیا ہے۔) مثلاً " ان شاء اللہ تعالیٰ مکتوب بہ ضلع و مقام لبھتی خاص بدولت خانہ مولوی محمد کامل صاحب جدرامین بمطالعہ نور چشم مولوی محمد شبلی وکیل سلمہ اللہ تعالیٰ در آید یا ان شاء اللہ تعالیٰ مکتوب بہ رام پور دار الریاست بدولت خانہ مولوی ارشاد حسین صاحب رسیدہ بمطالعہ نور چشم محمد شبلی سلمہ اللہ تعالیٰ در آید"

• ان خطوط کی زبان بھی قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ جو لوگ عربی کا اعلیٰ مذاق رکھتے ہیں وہ مقفّٰی و مسجع عبارت سے ضرور لطف اندوز ہوں گے مثلاً

ثمرۂ غصن السعادہ ۔ شاخ سعادت کے ثمر + قرۃ عینی ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک + بُنَیّ ۔ میرے بچے

دعائیہ کلمات بھی کتنے عمدہ ہیں:

لا زال صاعداً لمصاعد المجد والسیادہ — سروری و سرفرازی کی بلندیوں کی طرف سدا مائل پرواز رہو۔

کشف اللہ و ازاح ابداً بینک و بینی — خدا تمہارے اور میرے درمیان کی دوری کو دور کرے

لا زلت تستجنب الغی — تو ہمیشہ برائی سے بچا رہے

یہ خطوط ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کو 1980 میں دارالمصنفین اعظم گڑھ سے اس وقت حاصل ہوئے تھے جب وہ مولانا حمید الدین فراہی پر ریسرچ کر رہے تھے اور اس ضمن میں مواد کی تلاش میں پرانے کاغذات پر مشتمل ایک الماری کو کھنگال رہے تھے۔

علمی و ادبی معیار کے لحاظ سے اور اپنی تاریخی اہمیت کے لحاظ سے یہ خطوط آثار علمیہ و ادبیہ میں محفوظ کرنے کے لائق ہیں۔